(فنڈ)

امِ عبدِ منیب

مطبوعاتِ مشربہ علم و حکمت
0300-4270553
0321-4609092
کامران پارک زینبیہ کالونی نزد منصورہ ملتان روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چندہ (فنڈ)
کے شرعی احکام

اُمِّ عبدِ منیب

مشربہ علم و حکمت
ندیم ٹاؤن ڈاکخانہ اعوان ٹاؤن لاہور
0321-4609092

چندہ (فنڈ) کے شرعی احکام

اہتمام ———— محمد عبد منیب
ناشر ———— مشربہ علم وحکمت
قیمت ———— 40:00

ناشر: مشربہ علم وحکمت
0321-4609092
0300-4270553
کامران پارک زینبیہ کالونی نزد منصورہ ملتان روڈ لاہور

ڈسٹری بیوٹر دار الکتب السلفیۃ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
Ph.: 042-37361505-37008768
Cell: 0333-4334804

البلاغ

لاہور
لوئر گراؤنڈ لینڈ مارک پلازہ جیل روڈ لاہور
042-35717842-3,0300-8880450
6GL نیو لبرٹی ٹاور بالمقابل پیس ماڈل ٹاؤن لنک روڈ لاہور
042-35942233,35942277,0300-6112240

اسلام آباد
شالیمار سنٹر F-8 مرکز اسلام آباد
051-2281420,0300-5205050
عدنان پلازہ، سواں روڈ G-10 مرکز اسلام آباد
051-2224146-7,0300-5205060

فہرست

چندہ (فنڈ)

چندہ سے مراد ایسی مالی امداد ہے جو دوسروں کی انفرادی یا اجتماعی ضرورت پوری کرنے کے لیے دی جاتی یا لی جاتی ہے۔ پاکستان میں فلاحی و رفاہی امور انجام دینے والی ہزاروں تنظیمیں ہیں۔ اس لیے چندہ/فنڈ اکٹھا کرنے کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ سیاسی جماعتیں بھی فنڈ کے بل پر سیاسی و انتخابی میدان سر کرتی ہیں اور حکومت کے سربراہ بھی ''قرض اتارو ملک سنوارو'' کی مہم چلا کر عوام سے فنڈ وصول کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر چندہ وصول کرنے کی مہم میں غیر معمولی گرم جوشی آ جاتی ہے مثلاً رمضان المبارک، عیدین وغیرہ۔

ہمارے ملک میں چندے کے بل پر چلنے والے کاموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثلاً

☆ بیواؤں، مسکینوں، یتیموں، اپاہجوں، معذوروں اور بے سہارا لوگوں کی مدد

☆ بے روزگاروں کو روزگار دلوانا

☆ سکول، کالج کے طالب علموں کی مدد کرنا

☆ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی مدد

☆ بوڑھوں کے لیے اولڈ ہومز کا قیام

☆ اسپتال بنانا اور ادویات نیز اسپتال میں کام آنے والی مشینیں خریدنا

☆ ہنگامی آفات میں مبتلا ہونے والوں کی امداد مثلاً بم پھٹنا، آگ لگ جانا، حادثہ ہو جانا، سیلاب آنا، قحط پڑنا وغیرہ۔

☆ مہاجرین کی مدد

☆ قانونی سہولتیں مہیا کرنے والے ادارے

☆ مساجد اور مدارس کی تعمیر

☆ جہاد کے مصارف

☆ دعوت و تبلیغ، زبانی اور تحریری

☆ افطار پارٹیاں، محفلِ شبینہ، محفل تراویح، محفل قرأت، جلسہ سیرت، عید ملن، جشنِ میلاد، شبِ معراج، شبِ برات، بزرگوں کے عرس اور میلے، گیارہویں کا ختم، برسیاں، قل، چالیسویں، ختمِ قرآن کی تقریبات وغیرہ۔

چندہ یا فنڈ لینے کا رواج اسلام میں نہیں ہے بلکہ برصغیر میں اور دیگر علاقوں میں بھی یہ رسم انگریز اپنے ساتھ لے کر آئے۔ ان کے ہاں مذہبی لحاظ سے دوسروں پر خرچ کرنے کی کوئی زوردار تعلیمات نظر نہیں آتیں اور نہ ہی ان کے جذبات میں دوسروں کے لیے قربانی کی وہ تحریک پائی جاتی ہے جس کا وجود اسلام اور مسلمانوں میں ہے لہٰذا انہیں لوگوں سے کہہ کہہ کر، ترغیب دے دے کر، بلکہ لپیٹ لپیٹ کر

چندہ وصول کرنا پڑتا ہے۔

مولنا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں: چندہ اکٹھا کرنے کا رواج ہمارے یہاں یورپ سے آیا ہے۔ مسلمانوں میں جگہ جگہ جا کر چندہ اکٹھا کرنے کا رواج نہیں تھا، جس کی وجہ یہ ہے کہ علماء اپنے گھروں یا مسجدوں میں بیٹھ کر درس دیتے یا تصنیف و تالیف کرتے، لوگوں کو مذہبی مسائل بتاتے اور امراء و سلاطین ان کی مالی خدمت کرتے۔ علماء و مشائخ نہ تو بینک میں روپیہ جمع کرتے، نہ کسی لمیٹڈ کمپنی کے حصے خریدتے، ان کا تمام سامانِ معیشت صرف تسبیح، مصلے، قرآن مجید اور ایک دو جوڑے کپڑوں پر محدود تھا۔ اس وقت مصنوعی عالم، ریاکار مشائخ اور نمائشی امیروں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔

اہلِ یورپ کے ہاں کوئی شخص کسی قریبی عزیز، یا پڑوسی کے حقوق کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا حتّٰی کہ شوہر بیوی کی اور ماں باپ اولاد کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کرتے، ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ انسانیت کا درد رکھنے والے لوگ تنظیمیں بنا کر چندہ وصول کر کے بے سہارا لوگوں کی کفالت کے لیے ادارے بنائیں۔ اہلِ یورپ کو کسی رشتے دار کی یا کسی بے سہارا شخص کی ذمہ داری قبول کرنا بہت گراں لگتا ہے لیکن وہ اپنا مال رفاہی اداروں پر خرچ کرنے کو آسان نیکی تصور کرتے ہیں۔

مغرب کے اسی تنگ دلانہ تصور نے رفاہی تنظیموں کو نہ صرف جنم دیا بلکہ دنیا کے کونے کونے میں ان کا جال پھیلا دیا اور یہ کوشش کی کہ ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ انہی کی طرح اور انہی کی تنظیموں کے تحت رہ کر کام کریں۔ چنانچہ یہ اقدام پوری دنیا کو اپنا غلام بنانے کی تدبیروں میں سے ایک موثر تدبیر کے طور پر سامنے لایا گیا۔

صرف یہی نہیں یورپ نے اقوامِ متحدہ کے ادارے کی زیرِ نگرانی بھی مختلف تنظیمیں بنائیں۔ یورپی رفاہی تنظیموں کو کسی ملک میں کام کرنے کے لیے فوری اجازت مل جاتی ہے جب کہ مسلم ممالک کی تنظیموں کو دوسرے ممالک میں کام کرنے کی اجازت یورپی اقوام مشکل ہی سے دیتی ہیں۔

بہر حال اس وقت ہمارے ملک میں دینی اور رفاہی کام کرنے والی بہت سی تنظیمیں ہیں، ان کے مطمحِ نظر میں فرق ہو تو ہو لیکن ان سب کا طریقِ کار یورپی رفاہی تنظیموں ہی کی طرح ہے۔ یہ تین طرح کی تنظیمیں ہیں:

(۱) خالص دینی تنظیمیں: دین کی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ یہ لوگ رفاہِ عامہ کے بھی بہت سے کام کر رہے ہیں۔

(۲) بے دین مسلمانوں کی رفاہی تنظیمیں: یہ لوگ غیر ملکی این جی اوز کے انداز اور انہی کے مقاصد کے تحت کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں گاہے گاہے باہر

کے ملکوں سے بھی امداد ملتی رہتی ہے اور ان کا غیر ملکی تنظیموں کے ساتھ الحاق بھی ہوتا ہے۔ یہ لوگ بعض دینی کام بھی کرتے ہیں تاکہ عوام انہیں اسلام کے داعی اور ہمدرد سمجھ کر زکاۃ وصدقات، قربانی وغیرہ کی کھالیں دیتے رہیں۔

(۳) غیر ملکی رفاہی تنظیمیں: ان لوگوں کا مقصد مسلمان معاشرے کو بگاڑنا، اسلام سے بے گانہ کرنا، مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنا، بے حیائی کو عام کرنا اور یورپی معاشرے جیسی فضا کو عام کرنا ہے۔ انہیں غیر ملکی حکومتیں اور یہود وہنود اور عیسائی دانش ور خصوصی تربیت اور ہدایات دے کر مسلمان ممالک میں بھیجتے ہیں۔ ان میں اکثر تنظیمیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ذیلی تنظیم کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ یہ تنظیمیں بھی اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے دینی ایام وتقریبات کے موقع پر دینی وابستگی والے کام بھی کرتی ہیں۔ مثلاً افطار پارٹی، عید ملن پارٹی، لوگوں کو رمضان اور عید پیکج دینا وغیرہ۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: اسلام اور رفاہی کام مطبوعہ مشربہ علم وحکمت)

ہم چوں کہ مسلمان ہیں اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم چندہ یا فنڈ کے حوالے سے جو کچھ کرتے ہیں اس کا شرعی طریقِ کار بھی معلوم کریں۔

جہاں تک لوگوں کی ضروریات پوری کرنے یا دینی تعلیمات کو عام کرنے کا تعلق ہے اس کا سب سے بڑا داعی اور حامی اسلام ہے۔ چنانچہ اسلام میں انفاق

(خرچ کرنا) گھریلو سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی با قاعدہ ایک شعبہ ہے جو بذاتِ خود عظیم عبادات میں سے ایک ہے۔

انفاق سے مراد؟

انفاق سے مراد یہ ہے کہ جن امور پر اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے ان پر خرچ کرنا اور جن امور پر خرچ کرنے سے روک دیا ہے ان پر خرچ کرنے سے رک جانا۔

انفاق نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا ہے جو مالی عبادات میں سے فرض عبادت ہے۔ سورہ البقرہ کی تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں انفاق کو بھی شامل کیا ہے۔ فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (البقرہ:۳)

''اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

انفاق (خرچ کرنے) کی دو مشروع صورتیں ہیں:

(۱) فرض: جس میں زکوٰۃ، عشر، قربانی، فطرانہ اور منت کا صدقہ کے علاوہ اپنے زیرِ کفالت افراد پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

(۲) نفل یا مستحب: زیرِ کفالت افراد کے علاوہ رشتہ داروں، پڑوسیوں، بے

واؤں، محتاجوں، یتیموں، معذوروں، مسافروں، قرضے میں دبے ہوئے لوگوں، دین کے دفاع اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف لوگوں کی مدد کرنے کے علاوہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے، مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے اور مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات اور سہولیات پر خرچ کرنا۔

اسلام میں انفاق (مال خرچ کرنے) پر بہت بڑے اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی کھجور کے برابر صدقہ کرے اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور اللہ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس (صدقے) کو قبول کرتا ہے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ، پھر اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتا رہتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ: ۱۴۱۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ روک کر رکھنے والے (کے مال) کو ضائع کر دے۔'' (بخاری: ۱۴۴۲۔ مسلم: ۱۰۱۰)

ربِّ کریم نے خود فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ .(البقرہ:۲٦۱)

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے سود خوری کو قبیح گناہ قرار دینے کے بعد فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ .(البقرہ:۲۷٦)

''اللہ سود کو نابود کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔''

کیا خرچ کریں؟

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے، اسے میں کہاں خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنی ذات پر۔ اس شخص

نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس شخص نے عرض کیا: میرے پاس اس کے علاوہ بھی ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ اس شخص نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کر۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب تو اپنا معاملہ خوب جانتا ہے (یعنی جہاں مناسب سمجھے خرچ کر)۔ (ابوداود، کتاب الزکاۃ:۱۶۹۱۔ نسائی:۲۵۳۶)

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اپنی حقیقی ضرورت اور زیرِ کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو کچھ زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کر دینا چاہیے۔

چنانچہ ربِ کریم نے فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ. قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ: ۲۱۸)

”آپ سے یہ (صحابہ) پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ (اللہ کے لیے) خرچ کریں، ان سے کہہ دیجیے کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو۔“

یاد رہے کہ ضرورت سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے نہ ملنے سے ایمان، جان اور آبرو کو کوئی نقصان پہنچنے کا واقعی خدشہ موجود ہو۔ دورِ حاضر میں حقیقی ضروریات کے علاوہ غیر ضروری لوازمات کا دائرہ بہت بڑھ چکا ہے، سیر وتفریح کرنا، تقریبات پر بے تحاشا خرچ کرنا، رنگا رنگ اور ہر نئے ڈیزائن کی چیز خرید لینا وغیرہ۔

خرچ کرنے کی شرائط:

مسلمان جو کچھ بھی دوسروں پر خرچ کرتا ہے، اسے اس خرچ کرنے کی شرائط و آداب تفصیل سے بتا دیے گئے ہیں، جن میں بعض درج ذیل ہیں:

☆ صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لیے مال خرچ کیا جائے۔ (الدہر:۹)

☆ جس پر خرچ کیا اسے جتایا نہ جائے۔ (البقرہ:۲۶۴)

☆ تعریف کروانے کے لیے خرچ نہ کیا جائے۔ (البقرہ:۲۶۴)

☆ جس پر خرچ کیا ہے اس سے کسی قسم کے بدلے کی توقع نہ رکھی جائے۔

(الدہر:۱۰)

☆ جس پر خرچ کیا ہے اسے اپنے سے حقیر نہ سمجھا جائے۔ (البقرہ:۲۲۶)

☆ ذاتی مال میں سے دیا جائے دوسرے کا مال تب دے سکتے ہیں جب کہ مالک نے اجازت دی ہو۔ (بخاری، کتاب النفقات)

صحابہ کا جذبۂ انفاق:

عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے دور تک خلفاء وامراء اور عوام اسلام کے سچے شیدائی اور جان نثار تھے۔ وہ اسلام کی تعلیم حاصل کرتے، اسے سمجھتے اور پھر اس پر عمل کے لیے کوشاں ہو جاتے۔ ان کے دل اور دماغ پر صرف یہی فکر طاری رہتی کہ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کرنا جو انہیں اللہ سے دور کر دے یا ان کی

آخرت کی زندگی کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو۔ مال اور دنیا کی دیگر تعیّشات کی بجائے ان کے دل آخرت کی محبت میں گرفتار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق وہ دنیا میں یوں رہ رہے تھے جیسے راہ چلتا مسافر یا ایک پردیسی۔

مال کمانے اور خرچ کرنے کے بارے میں ان کا رویّہ وہی تھا جو اسلام نے پیش کیا تھا۔ چنانچہ ان ادوار میں دوسروں پر مال خرچ کرنے کی جو مثالیں دنیا نے دیکھیں ان کی نظیر ملنا کسی اور معاشرے میں محال ہے۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''میں سخت بھوکا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے باری باری اپنے تمام گھروں میں آدمی بھیجا لیکن ہر گھر سے جواب ملا کہ آج تو اپنے کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے پوچھا: کون شخص آج کی رات اس شخص کو اپنا مہمان بنائے گا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یا رسول اللہ! وہ مہمان کو گھر لے گئے جا کر بیوی کو بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ بیوی نے کہا: گھر میں صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دینا۔ جب مہمان کھانے بیٹھے گا تو کسی بہانے سے چراغ بجھا دینا۔ میں ویسے پاس بیٹھا رہوں گا اور مہمان سیر ہو کر کھانا کھا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میاں بیوی کے عمل پر بہت

خوش ہوئے اور یہ آیت نازل فرمائی ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ .(الحشر:۹)

"اور خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔" (بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۷۹۸۔ مسلم: ۲۰۵۴)

کسی صحابی نے بکری کی سری اپنے کسی دوسرے ساتھی کے ہاں بھجوائی، ان کے خیال میں وہ صحابی ان سے زیادہ ضرورت مند تھے، ان صحابی نے سوچا، مجھ سے زیادہ ضرورت مند فلاں صاحب ہیں لہٰذا انہیں سری بھجوادی۔ غرض یہ سری سات گھروں سے پھرتی پھراتی واپس اس صحابی کے گھر آ گئی جہاں سے وہ چلی تھی۔ (مستدرک حاکم بحوالہ زکوۃ کے مسائل)

سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ ذَالَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا.

تو ابودحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اللہ ہم سے قرض طلب کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ہاں۔" ابودحداحؓ نے کہا: اپنا ہاتھ دیجیے۔ پھر آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنا وہ باغ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ وہاں سے اٹھ کر سیدھے باغ کی طرف آئے اور باغ کے باہر کھڑے ہوکر بیوی سے کہا: "بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ"۔ میں

نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔

(صحیح ابن حبان:۷۱۵۹۔احمد:۱۲۵۱۰ ریاض الصالحین)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط پڑا۔ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: کل تمہاری مشکل دور ہو جائے گی۔ دوسرے روز صبح کے وقت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے بھرے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تاجر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور غلہ خریدنے کی بات کی تاکہ بازار میں جا کر بیچیں اور لوگوں کی پریشانی دور ہو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ غلہ ملک شام سے منگوایا ہے، تم اس پر کتنا نفع دو گے۔ تاجروں نے کہا ''دس کے بارہ دیں گے۔'' آپؓ نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے دس کے چودہ پیش کیے۔ آپؓ نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے کہا: ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ہر درہم کے عوض دس درہم ملتے ہیں، کیا اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ تاجروں نے کہا: نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تاجرو! گواہ رہنا! میں یہ غلہ مدینہ کے تمام محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء۔ بحوالہ زکوٰۃ کے مسائل از محمد اقبال کیلانی)

یہ تو تھیں عوام کے انفاق فی سبیل اللہ کی چند انفرادی مثالیں۔ جہاں تک خلفا اور امراء کا تعلق ہے ان کا حال یہ تھا کہ وہ رعایا کے دکھ درد دور کرنے، انہیں

ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے، ان کے علاج معالجہ، تعلیم اور روزگار مہیا کرنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے۔

وہ بیت المال میں جتنا بھی غنیمت، زکاۃ یا خراج وغیرہ کا مال آتا وہ سب اسی وقت عوام کی ضروریات پر خرچ کر دیتے۔ سرکاری خزانے میں ہر وقت مخصوص رقم جمع رکھنے کا آج کل کی طرح کوئی رواج نہیں تھا۔

جہاد کی مہمات جاری رہتیں جن کی وجہ سے مالِ غنیمت بھی آتا رہتا۔ لوگ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے زکاۃ کے علاوہ بھی اناج، شہد، کپڑے، بھیڑ، بکری، اونٹ، چاندی، سونا وغیرہ جمع کراتے رہتے۔ خلفاء خود عوام کی ضروریات کا خیال رکھتے، رات کو گلیوں بازاروں میں گشت لگاتے۔ ہر شخص سے ملاقات کر کے اس کے حالات کا پتا رکھتے۔ ہر شخص کا معقول ماہانہ وظیفہ بیت المال کی طرف سے مقرر تھا۔ اس سارے طریقِ کار میں سب سے بڑی چیز اللہ کا خوف، ادائے امانت کا احساس اور کم چیزوں میں قناعت کرنے کا رجحان تھا۔ اگر کسی شخص کو مہینے بھر کے لیے صرف پانچ کلو کھجوریں مل جاتیں تو وہ اپنے آپ کو امیر ترین آدمی تصور کرتا۔

خلفاء راشدین کے بعد کے ادوار میں انفاق:

خلفائے راشدین کے بعد آہستہ آہستہ امراء و خلفاء نے بیت المال کی آمدنی کا کچھ حصہ اپنی ذاتی اغراض پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اپنے لیے بڑی بڑی

عمارتیں، عمدہ کھانے، عمدہ لباس، اور زندگی کی دیگر سہولتیں اور تعیّشات حاصل کرنا ان کا مطمحِ نظر بن گیا۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے مصداق دیگر صاحبِ مال لوگ بھی بڑی بڑی عمارتیں بنانے، قیمتی لباس اور کھانے اور خدام و ملازمین کے حصول میں لگ گئے۔ ان حالات میں بھی امراء وخلفاء کو بہر حال عوامی ضروریات کا پاس اور احساس تھا جسے پورا کرنا وہ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

جو لوگ ضرورت مندوں محتاجوں کے لیے حساس دل رکھتے تھے وہ صحابہ کرام کی طرح کسی کی توجہ دلائے بغیر ہی ان لوگوں پر خرچ کرتے۔ اس مقصد کے لیے صاحبِ ثروت حضرات ذاتی مال سے مدارس و مساجد بنواتے، شفا خانے، طعام خانے، سرائیں اور کتب خانے بناتے، بے روزگاروں کو روزگار سکھانے کے لیے کارخانے بناتے اور معاشرے کی خدمت کرتے، جب دیگر مخیّر حضرات ان کے اس کام کو دیکھتے تو چندہ جمع کرنے کی مہم کے بغیر ہی بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دیتے۔ دورِ حاضر کی طرح ایک ایک دروازے اور ایک ایک شخص تک پہنچ کر چندہ جمع کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

اعیانِ حکومت کے سپرد حکومت اس لیے کی جاتی تھی کہ وہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کریں، بھوکے کو کھانا، ننگے کو لباس، بے گھر کو گھر، بیمار کو علاج معالجے کی سہولت، اَن پڑھوں کو تعلیم کی سہولتیں فراہم کریں۔ بے واؤں، یتیموں کا روزینہ

مقرر کریں، بھیک مانگنے والوں کو محنت مزدوری پر لگائیں، بے نکاحوں کے نکاح کر دیں لیکن آہستہ آہستہ جب خلافت سے زیادہ موروثی بادشاہت کا نظام آیا تو امرائے حکومت میں احساسِ ذمہ داری کم ہوتا چلا گیا۔

حکومت کے شاہانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے عوام پر ٹیکس لگایا جانے لگا حالاں کہ اسلام میں سوائے زکاۃ کے اور کوئی مالی بوجھ حکومت کی طرف سے عوام پر نہیں ڈالا گیا جب کہ زکاۃ بھی صرف صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔

مسلمانوں پر جب سیاسی سطح پر دورِ زوال آیا، انگریز مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تو مجبور اور محتاج لوگوں کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ دینی مدارس اور مساجد کے بقا و قیام کے لیے وسائل نہ رہے تو مخیّر حضرات نے باہم مل کر ان سب کے لیے کام کرنا شروع کیا، ہر شخص مساجد و مدارس یا محتاج و یتامیٰ کی کوئی نہ کوئی مالی خدمت رضا کارانہ اپنے ذمے لے لیتا۔ انگریزوں کے تسلط کے ساتھ ہی ان لوگوں کے ہاں سے این جی اوز اور مختلف رضا کار تنظیموں کا رواج بھی آ گیا۔ ان تنظیموں نے جانے بوجھے منصوبے کے مطابق مسلمان ممالک میں کام شروع کیا۔ جو کام حکومت کے کرنے کا تھا وہ رفاہی تنظیموں نے اپنے ذمے لے کر عوام میں اپنی مقبولیت حاصل کر لی۔ پھر یہ خیال عام ہو گیا کہ حکومت کا کام حکومت کرنا اور ٹیکس پر ٹیکس لگائے جانا ہے جب کہ رفاہی تنظیموں کا کام عوام سے چندہ جمع کر کے وہ

☆ بعض لوگ ضروریات پوری ہونے کے باوجود ضرورت مند بن کر فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں، یوں حقیقی ضرورت مندوں کی حق تلفی ہوتی ہے، عوامی سطح پر کام کرنے والوں کے لیے تحقیق کرنا مشکل ہوتا ہے جب کہ حکومت کے پاس بہت سے تحقیقی ذرائع موجود ہوتے ہیں۔

سب کام انجام دینا ہے جو اصلاً حکومت کے کرنے کے ہیں۔

دورِ حاضر میں لا تعداد رفاہی و فلاحی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود، معذوروں، ان پڑھوں، یتیموں، بے واؤں، ناداروں، بے روزگاروں اور بھیک مانگنے والوں کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

دراصل اللہ تعالیٰ نے حکام کو کسی ملک کے باشندوں کے لیے اسی طرح سرپرست و نگران اور ان کے تمام امور کی فکر کرنے اور ان کی انجام دہی میں سرگرم رہنے والا بنایا ہے جس طرح ایک بچے کے لیے اس کے ماں اور باپ ہوتے ہیں، اس لحاظ سے حکومت بذاتِ خود ایک وسیع البنیاد رفاہی ادارہ ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی این جی او یا رفاہی تنظیم کی ضرورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن جب وہ اپنے اصل فریضے کی طرف توجہ ہی نہ دے تو عوامی سطح پر چاہے کتنی ہی تنظیمیں میدانِ عمل میں کود جائیں، نتائج کبھی بھی حوصلہ افزا ثابت نہیں ہو سکتے۔ جس کی چند وجوہات ہیں:

☆ عوامی سطح پر کام کرنے والے کے وسائل محدود ہوتے ہیں اور حکومت کے وسائل لامحدود

☆ عوامی سطح پر کام کرنے والے کا اختیار محدود ہوتا ہے لیکن حکومت قانونی حق استعمال کر سکتی ہے۔

مدد کا ذریعہ کون سی تنظیم؟

ایک مسلمان اپنے مال کا وکیل اور امین صرف اس مسلمان ہی کو بنا سکتا ہے جو اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر کام میں راہنمائی کے لیے قرآن وسنت کو لازم جانتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے مال، خدمات اور تائید کی حق دار صرف حقیقی اسلامی صفات والے مسلمانوں کے ہاتھوں تشکیل پانے والی تنظیم ہے۔ ایسی تنظیموں اور مسلمانوں کا ساتھ دینا دورِ حاضر کی اولین ضرورت ہے۔ ایک مسلمان تو اپنی ہر دعا میں ایسے ہی پختہ ایمان والے مسلمانوں کے ساتھ کی طلب کرتا ہے۔ اس کی تو ہر نماز میں یہ دعا ہوتی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ . غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْن .(الفاتحہ: ۵ تا ۷)

”ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو نے اپنا انعام کیا نہ ان کے رستے پر جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی گمراہوں کے (رستے پر)۔“

☆ جو مسلمان بے دین ہیں، بے نماز ہیں، گانے بجانے کا کام کرتے ہیں، لاٹری، جوا، آرٹ، فلم شو، سٹیج وغیرہ کا انعقاد کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنی تنظیم

کے لیے امداد اکٹھی کرتے ہیں، جن کے حلیے اسلام کے مطابق نہیں، جن کا مطمحِ نظر صرف دنیا کمانا ہے، دین کا کام نہیں کرتے، اپنی عملی زندگی میں دین کی بجائے یورپی انداز و عادات کو ترجیح دیتے ہیں جن کا عقیدہ ملحدانہ یا مشرکانہ ہے، جن کی دوستیاں ہندو، عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ ہیں ان کو بھی چندہ یا کسی بھی قسم کی امداد نہیں دینا چاہیے۔ فرمان ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (الحشر: ۱۹)

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا نتیجے میں اللہ نے خود انہیں ان کا نفس بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔''

☆ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تحت رفاہی کام ہوں یا یورپ سے الحاق رکھنے والی تنظیموں کے تحت، انہیں چندہ دینا بلکہ ایک تنکے کی بھی مدد کرنا ملحد، عیسائی اور یہودی تنظیموں کی مدد کرنا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ صرف ایمان دار کا عمل قبول کرتا ہے۔ غیر ملکی تنظیموں کو مدد دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ان تنظیموں کو بھی پسند کرتے ہیں اور ان کے کام کو بھی پسند کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور کافروں کے متعلق فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ . (المائدہ:۵۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو شخص انہیں دوست بنائے گا اس کا شمار بھی انہیں میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔''

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ.(ہود:۱۱۳)

''اور ظالموں کی طرف بالکل نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے پھر تمہیں کوئی ایسا سرپرست نہیں ملے گا جو اللہ سے بچا سکے اور کہیں سے تمہیں مدد بھی نہیں پہنچے گی۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا.(النساء:۱۴۴)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف (عذاب کے لیے) واضح ثبوت دے دو۔''

یاد رہے کہ انفرادی طور پر کسی کافر کی مدد کی جا سکتی ہے البتہ زکاۃ کی رقم صرف

اسی صورت میں دی جائے گی جب کہ کافر کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو۔
(تفصیل کے لیے دیکھیے: زکاۃ کے حق دار کون؟)

ناجائز تقریبات کے لیے چندہ:

ہمارے ملک میں بہت سی تقریبات اور جشن ایسے بنا لیے گئے ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا بلکہ ان جشنوں اور تقریبوں کی ممانعت ملتی ہے لہٰذا ان میں چندہ دینا یا کسی بھی قسم کی مدد کرنا درست نہیں۔ ان میں سے بعض جشن اور تقریبات درج ذیل ہیں:

☆ بزرگوں کے عرس اور میلے۔ قرآن وسنت سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ بزرگوں کے عرس اور میلے منانا چاہئیں۔ اس کے برعکس بزرگوں کے عرس اور میلے منانے سے منع کی روایات ملتی ہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

(بخاری: ۱/۵۳۲۔ ابوداؤد: ۲۷۶۴)

رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو گچ وغیرہ سے پختہ کیا جائے اور ان پر (مجاور بن کر) بیٹھا جائے اور یہ کہ اس پر کچھ تعمیر کیا جائے۔

(مسلم: ۲/۶۶۷)

☆ گیارہویں کا ختم۔ اکثر مساجد میں بھی اور گھر گھر جا کر بھی گیارہویں کے ختم کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اسلام میں اللہ کے علاوہ کسی کے نام کی نذر ونیاز

دینا حرام ہے۔ لہٰذا یہ کام باعثِ اجر ہونے کے بجائے الٹا باعثِ گناہ ہے۔ چندہ وصول کرنے والے اور چندہ دینے والے بھی اس گناہ کی زد میں آتے ہیں۔

☆ جشنِ میلاد النبی۔ تقریباً ستر، اسّی سال قبل یہ روایت شروع ہوئی، اس سے قبل پاکستان یا ہندوستان میں یہ عید متعارف نہیں تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لیے جشن کے دو دن مقرر کر دیئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

(ابوداود، کتاب الصلوۃ: ۱۱۳۴)

لہٰذا ان کے مقابلے میں کسی نئی عید کا منانا بدعت اور دین میں غلو ہے۔

میلاد کے موقع پر مساجد میں...... نیز میگا فون کے ذریعے گلی گلی پھر کر چندہ جمع کیا جاتا ہے۔ لڑکے ہر راستے کو بند کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تب تک کسی کو گزرنے نہیں دیتے جب تک وہ عید میلاد النبی کے لیے چندہ نہ دے۔ گویا یہ زبردستی کا چندہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی چیز ہرگز نہ لے، نہ ہنسی مذاق میں، نہ حقیقت میں۔ (ابوداود: ۵۰۰۳۔ ترمذی: ۲۱۶۰)

جس نبی کا یہ فرمان ہے انہی کی عید منانے کے لیے یہ گناہ بھی کیا جاتا ہے۔

بعض ملنگ اور نوجوان لڑکے، ڈھول پیٹ کر، بھنگڑا ڈالتے، نعتیں اور قوالیاں گاتے گلیوں میں اور مختلف چوراہوں میں جمع ہوتے ہیں ساتھ چند آدمیوں نے سبز رنگ

کی چادر کھول کر پکڑی ہوتی ہے جس میں ہر آنے جانے والا عید میلاد کے لیے چندہ ڈالتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: میلاد النبی)

☆ شبِ معراج اور شبِ برات کے مواقع پر جلسہ یا اجتماعی، نعت خوانی، میلاد خوانی وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اہتمام بھی چندہ ہی کے بل پر ہوتا ہے۔ جب کہ قرآن وحدیث میں شبِ برات یا شبِ معراج منانے کا اشارہ تک نہیں ملتا۔

☆ عید ملن پارٹی: اس مقصد کے لیے بھی بہت سی سیاسی اور رفاہی تنظیمیں چندہ جمع کرتی ہیں جب کہ اسلام میں عید ملن پارٹی کا کوئی تصور نہیں۔

☆ محفلِ شبینہ...... محفلِ میلاد...... محفلِ نعت، محفل قرأت...... محفلِ سماع...... وغیرہ کے نام پر بھی بہت سی دینی...... رفاہی...... سیاسی بلکہ غیر مسلم این جی اوز بھی فنڈ اکٹھا کرتی ہیں۔

☆ دعوتِ افطار...... یہ دینی، رفاہی اور سیاسی نیز غیر مسلم این جی اوز کا بھی...... پسندیدہ مشغلہ ہے۔ چندہ اکٹھا کرنا...... باہم جمع ہونا...... روزہ افطار کرنا اور کرانا۔

اسلام میں کسی کو روزہ افطار کرانا بڑے اجر کا کام ہے۔ بشرطیکہ روزہ افطار کرنے والا اور کرانے والا دونوں مسلمان ہوں اور بغیر کسی دنیوی غرض کے روزہ افطار کرایا جائے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سحری، افطاری اور افطاریاں)

☆ غیر مسلموں کے تہواروں کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا...... ویلنٹائن ڈے، کرسمس

ڈے......ایسٹر......نیوائیرڈے......یومِ مئی......بسنت......ہولی......وغیرہ کے لیے بھی این جی اوز فنڈ اکٹھا کرتی ہیں اور پھر مل کر رنگ رلیاں مناتی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ مسلمان جن کو غیر مسلموں کے کسی بھی مذہبی کام میں شرکت کرنا سختی سے منع کیا گیا ہے وہ خود خیر سگالی اور یک جہتی کے نام پر غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان کے مذہبی اور قومی دن منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ. (آل عمران:١٦٧)

''ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب وہ ان ایام میں ہوتے ہیں۔''

وہ اہلِ اسلام کے لیے منافقانہ کردار ادا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام تقریبات میں کچھ امور مشترک ہیں جو گناہ اور فسق کی ذیل میں آتے ہیں اور یہ درج ذیل ہیں:

(۱) جس دن کو یا تقریب کو منانے کی اجازت اسلام نے نہیں دی، اسے منانا

(۲) اس دن کی نسبت سے کارڈ چھپوانا

(۳) لائٹیں جلانا، آرائشی محرابیں اور پہاڑیاں بنانا ...... عیسائیوں کے مذہبی درخت کا ماڈل بنانا......عید میلاد النبی کے سلسلے میں پہاڑیاں اور بیت اللہ شریف اور مسجدِ نبوی کا ماڈل بنانا

(۵) نیا لباس پہننا

(۶) نعت، قوالی، ناچ گانے، بھنگڑے، لڈو اور موسیقی اور فلمی اداکاروں یا طوائفوں کو بلانا اور ان پر وار وار کر نوٹ انہیں دینا

(۷) اس تقریب کے حوالے سے باہم تحائف بھیجنا

(۸) گھروں کی، مساجد کی، دفاتر کی یا دیگر عمارات کی آرائش کرنا

ان امور کی وجہ سے ان تمام کاموں کے لیے چندہ/فنڈ دینا جائز نہیں۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کافروں کے تہوار اور ہمارا طرزِ عمل نیز عید کارڈ مطبوعہ مشربہ علم و حکمت)

مساجد کی تعمیر کے لیے چندہ:

مساجد مسلمان معاشرے میں مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ زمین پر اللہ کے گھر ہیں، ان کی حرمت، عزت اور فضیلت زمین کے دوسرے حصوں یا عمارتوں پر ایک ثابت شدہ امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو شہروں میں سے سب سے زیادہ محبوب جگہیں مساجد ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔ (مسلم، کتاب المساجد: ۱۵۲۸)

نیز فرمایا:

مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

''جو شخص اللہ کی رضا کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔'' (بخاری: ۴۵۰۔ مسلم: ۵۳۳)

خود رسول اللہ ﷺ نے قبا میں ...... اور مدینہ منورہ میں ...... قدم مبارک رکھتے ہی سب سے پہلے مساجد کی تعمیر کا کام کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کا تقاضا ہے کہ جیسے ہی کسی نئی بستی (کالونی) کی بنیاد رکھی جائے وہاں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے لیے قیمت ادا کر کے زمین خریدی۔ یہ مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی چھت تھی اور کھجور کے تنوں ہی کے ستون تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں توسیع کی لیکن اسے نبی اکرم ﷺ کی تعمیر کے مطابق ہی رہنے دیا۔ (ابوداود، کتاب الصلوۃ، فی بناء المسجد)

ازاں بعد آپؐ کے پاس مالِ غنیمت بھی آیا، اللہ نے فراوانی بھی دی لیکن آپؐ نے مہاجرین، ضرورت مند افراد کی مدد ...... اور جہاد کے اخراجات کو اہمیت دی، مسجد کی تعمیر پر کوئی خرچ نہیں کیا۔

زکوٰۃ کے جو فی سبیل اللہ مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں بھی مساجد کا نام شامل نہیں کیا گیا، غالباً جس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر حقوق اللہ میں سے ہے جب کہ زکوٰۃ اور صدقات اپنی معنویت میں تو حقوق اللہ ہیں لیکن ان کا نفاذ ... حقوق

العباد کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر اور عہدِ رسالت کی مساجد کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ

☆ مسجد کے لیے بنیادی طور پر صرف جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد ازاں دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے چھت کی لیکن اس کے لیے بھی جگہ جگہ جا کر یا گھر گھر جا کر چندہ اکٹھا کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔

☆ مساجد کے دیگر تمام مصارف اہلِ خیر اپنی صواب دید پر...... مسجد کی ضرورت اور نمازیوں کی سہولت کے لیے مہیا کریں۔ یہ بھی بہت اجر کا باعث ہے۔

☆ ہمارے معاشرے میں بسوں میں، گاڑیوں میں، چوراہوں میں اور گھر گھر جا کر مساجد کے لیے روپیہ روپیہ دو دو روپیہ مانگ مانگ جمع کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ مساجد میں صبح صبح ماشاء اللہ جزاک اللہ کی آوازیں یہ پتا دیتی ہیں کہ مسجد کے لیے فنڈ جمع ہو رہا ہے۔ بعض لوگ اخبارات و رسائل میں اشتہار دیتے ہیں۔

ایک مسلم معاشرے کے لیے سخت ذلت کا باعث ہے کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کرنے کے لیے بھی ..... مفلوک الحال ناداروں کی طرح چندے کی بھیک مانگتے پھریں۔

کیا ہم اپنے گھر کی تعمیر چندہ مانگ کرتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور قرونِ اولیٰ میں مساجد کے لیے کبھی کسی کے

آگے دستِ سوال دراز نہیں کیا گیا اور نہ ہی ایسا کرنا کسی سچے مسلمان کو زیب دیتا ہے۔

☆ مولٰنا عبدالستار رحماد ایک فتویٰ کے جواب میں لکھتے ہیں: مسجد کے لیے سفارتی مہم چلا کر چندہ اکٹھا نہ کیا جائے، اصحابِ ثروت اپنی گرہ سے تعمیر کریں۔

(فتاویٰ اصحاب الحدیث، ص:۸۲)

چندہ جمع کرنے کی چند نامعقول صورتیں

چندہ جمع کرنے کی بعض صورتیں دیکھنے میں بھی نامعقول ہیں اوران کو اختیار کرنے والے مسلمان کے کردار سے عفت، غیرت، خودداری اور سوال نہ کرنے کی جھجک ختم ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

کپڑا یا جھولی پھیلانا:

نمازِ عید، نماز جنازہ، نماز جمعہ، جلسہ گاہ، بازار، گلی، میلے، عرس وغیرہ میں دو تین حضرات کپڑا پھیلائے ہر شخص کے سامنے کرتے ہیں۔ جس کے سامنے کپڑا کیا جائے اسے خواہی نخواہی سکہ، دو سکے تو ڈالنے ہی پڑتے ہیں۔

گیارھویں، میلے، میلاد اور نعت خوانی وغیرہ کے لیے جھولی پھیلانے والے حضرات سبز ٹوپیاں باندھے پوری سڑک کو گھیر لیتے ہیں، ایک شخص ڈھول پیٹتا ہے، دو چار بھنگڑا ڈالتے ہیں، ایک آدھ مست قلندر کے نعرے لگاتے ہیں، کچھ تماشا دیکھنے والے بھی ساتھ ہو جاتے ہیں، یوں نیلی پیلی جھنڈیاں اٹھائے گلیوں اور بازاروں سے گزرتے جاتے ہیں اور لوگ، خیرات یا تبرک یا صدقہ یا پیر کی نیاز اور ختم کے لیے حصہ ڈالتے جاتے ہیں۔ جب کہ اس میں درج ذیل قباحتیں شامل

ہیں:

☆ ڈھول پیٹنا حرام ہے۔

☆ عرس یا میلا د منانا جائز نہیں۔

☆ مست قلندر یا کسی اور پیر کے نعرے لگانا شرک ہے۔

☆ گلیوں، بازاروں کو یوں گھیر لینا کہ راہگیروں کے لیے تنگی ہو اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

☆ کسی بزرگ کے نام کی نذر، نیاز یا خیرات دینا بھی شرکیہ کام ہے۔

رہے بعض وہ ادارے جو کسی شرکیہ یا بدعیہ کام کے لیے نہیں مانگتے، جھولی پھیلا کر فنڈ یا مالی مدد یا صدقہ لینا ان کے ہاں بھی عام ہے۔ بعض لوگ اس کی دلیل اس حدیث سے لیتے ہیں:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی طرف آئے اور ان کو وعظ و نصیحت کی۔ اس دوران آپ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھڑے رہے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے۔ جس میں عورتیں صدقہ کی اشیاء ڈال رہی تھیں۔ (بخاری، کتاب العیدین)

غور کیجیے!

☆ بلال رضی اللہ عنہ چادر لے کر ہر عورت کے سامنے نہیں گئے تھے بلکہ عورتوں نے خود آ کر ان کی چادر میں زیور اور صدقہ کی چیزیں ڈالی تھیں۔

☆ اس وقت دیگر کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس میں بلال رضی اللہ عنہ صدقہ کی اشیاء ڈالتے۔

☆ یہ صدقہ کسی خاص جماعت یا ادارے کے لیے نہیں بلکہ حکومتِ وقت کے قائم کردہ بیت المال کو دیا جا رہا تھا۔

☆ تب روپے یا سکے کم ہوتے تھے اکثر لوگ، زیور، غلہ، ستو، کھجوریں اور دیگر سامان صدقہ میں دیتے تھے، اس کے لیے چادر ہی کام آ سکتی تھی۔ جب کہ آج کل فنڈ کے لیے آدمیوں کی جیبیں یا چندہ کے لیے رکھے ہوئے ڈبے یا اس کام کے لیے موقع پر موجود مخصوص آدمی ہی کافی ہوتا ہے۔

امداد کا ہدف مقرر کرنا:

بعض جماعتیں یا ادارے رقوم کی فراہمی کے لیے ہدف مقرر کر لیتے ہیں اور پھر اپنے کارکنوں کو پابند کرتے ہیں کہ وہ اتنی رقم لازماً مہیا کریں جیسے بھی ہو، جہاں سے بھی ہو...... نتیجہ یہ کہ کارکن لوگوں کے گھروں میں جا جا کر...... مال دار اور اہم شخصیات سے رابطہ کر کر کے ہلکان ہو جاتے ہیں۔

☆ قرونِ اولیٰ میں کبھی امدادی رقوم یا اشیاء کا ہدف مقرر نہیں کیا گیا۔

☆ اگر لوگوں سے ان کی خوش دلی کے بغیر مال لیا جائے تو یہ غصب کہلاتا ہے اور کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

قربانی کی کھالیں جمع کرنا:

قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لیے ہر سال رفاہی و دینی ادارے/ جماعتیں حرکت میں آ جاتے ہیں۔ کارکنوں پر یہ ذمہ داری عائد کی جاتی ہے کہ وہ قبل از وقت قربانی دینے والوں کو کہہ کر کھال بک کرا لیں اور اپنا نمائندہ موقع پر موجود رکھیں تاکہ کھال کسی دوسرے کے پاس نہ چلی جائے۔ کھالیں جمع کرنے کے لیے پرکشش جملے وضع کیے جاتے ہیں مثلاً ''قربانی اللہ کے لیے، کھال فلاں کے لیے۔'' حالانکہ یہ ایک شرکیہ جملہ ہے، کھال بھی اللہ کے لیے ہے اور قربانی بھی اللہ ہی کے لیے۔ قربانی کرنے والے لوگ عجیب مخمصے میں گھر جاتے ہیں، کس کو ہاں کریں اور کس کو نہ، جسے کھال نہیں دی جاتی اس کے ناراض ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ بلکہ قربانی کے حصہ داروں اور اہلِ خانہ میں بھی کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ فلاں کو دی جائے اور دوسرا فلاں کو دینا چاہتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قربانی کے جانور کی ہر چیز، کھال، جھول وغیرہ بھی اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان جب اخلاص کے ساتھ قربانی کرتا ہے تو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ قربانی کا گوشت اور کھال از خود...... مستحقین کا پتا چلا کر ان تک

پہنچانے کے لیے جائے۔ نہ یہ کہ قربانی کرنے سے ہفتہ عشرہ پہلے ہی مختلف اداروں کے کارندے اس کا دماغ پریشان کر دیں۔

نیز مالی صدقہ ایک عبادت ہے، عبادت میں زبردستی یا ''میں، مجھے، اور میرا'' کا کیا تعلق؟ قربانی کی کھال ہو یا گوشت جسے بھی مل جائے اس پر حسد یا سبقت کے کیا معنی؟ کیا اس ایک جماعت یا ادارہ کے علاوہ دوسرے مستحق نہیں؟

اس سلسلے میں بعض علمائے دیوبند نے اپنے متعلقین سے کہہ رکھا تھا کہ وہ نہ تو قربانی کی کھالیں جمع کریں، نہ وصول کرنے کے لیے کسی سے کہیں، نہ ہی کھال قبول کریں۔ البتہ اگر کوئی صاحب خود کھال بیچ کر اس کی رقم مدرسے کی امداد کے طور پر دے دیں تو لے لیں۔ مولٰنا اشرف علی تھانوی نے اپنے حلقے کے لوگوں کو جو کچھ کہہ رکھا تھا وہ ایک اچھی مثال ہے۔

☆ چرمِ قربانی جمع نہ کریں، کوئی خود کھال بیچ کر رقم پیش کرے تو قبول کر سکتے ہیں۔

☆ صدقہ فطر خود جمع کرنے کے لیے کوشش نہ کریں کوئی از خود پیش کرے تو لے سکتے ہیں

☆ چندہ کے عام مروجہ طریقوں کی کسی حال میں اجازت نہیں۔

☆ مالی تعاون ایسے مخلصین سے قبول کریں جو رسید کے خواہش مند نہ ہو۔

☆ مالی تعاون کرنے والوں کی دوسرے عوام کی بنسبت کسی بھی قسم کی کوئی خاص رعائت نہ کریں۔

☆ قربانی کے حصوں میں سے اگر ایک حصہ دار قربانی کی کھال نہ دینا چاہے تو اس پر دباؤ مت ڈالا جائے، کھال بیچ کر جو رقم اپنے حصے میں آئے وہ راہِ حق میں دے دو۔ اللہ کسی کے پیسے کا محتاج نہیں، نہ ہی اس کے کام رکے رہتے ہیں، صدقات دینے میں ہمارا اپنا نفع ہے۔ اور یہ خزانہ آخرت میں ہمارے لیے بڑھا دیا جائے گا۔

مجمع میں چندہ جمع کرنا:

مساجد میں نماز کے بعد، نمازِ عید کے بعد، کسی جلسے یا اجتماع کے اختتام پر، کسی سیاسی میٹنگ میں، سماجی تقریبات میں، چندہ یا فنڈ کی اپیل کرنے کی روایت عام ہو چکی ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کا تو تقریب یا جلسہ منعقد کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے فنڈ اکٹھا ہو جاتا ہے، کارکنوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ساتھ نئے افراد کو لائیں خصوصاً مال دار حضرات کو۔

مجمع میں چندہ کی اپیل کا کام اس شخص کے حوالے کیا جاتا ہے جو زبان چلانے کا فن جانتا ہو، جسے لوگوں کی جیب سے روپے نکلوانا آتا ہو۔

جب مجمع میں سے ایک شخص فنڈ دیتا ہے تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے افراد

بھی کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ مبالغہ آرائی سے گفتگو کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح بل دیتا ہے جس طرح گائے گھاس کھاتے وقت اپنی زبان کو لپیٹتی ہے۔ (ترمذی: ۲۸۵۳۔ ابوداود: ۲۵۶۴)

یاد رہے کہ اخلاص کے ساتھ سادہ الفاظ میں کسی ضرورت مند کی حاجت پوری کرنے کے لیے کسی ایسے شخص سے کہنا جو یہ حاجت پوری کرنے پر قادر ہو، مستحسن امر ہے۔ کیوں کہ کہنے والے کو بھی اپنی جگہ پر اجر ملتا ہے اور حاجت پوری کرنے والے کو بھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سفارش کیا کرو اور اجر پاؤ گے۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں لیکن اسے موخر کرتا ہوں تا کہ تم سفارش کر کے اجر پاؤ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا. (ابوداود: ۵۱۳۲)

نبی اکرم ﷺ نے صرف دو مواقع پر مالی مدد کے لیے صحابہ کرام کو فرمایا تھا۔ ایک غزوہ تبوک کے موقع پر، دوسرے قبیلہ مضر کا وفد آنے پر۔ (دیکھیے مسلم: ۱۰۱۳)

چنانچہ آپ نے جب غزوہ تبوک کا ارادہ کیا تو مسلمانوں کو بار بار کہنے کی، اپیل کرنے کی یا گھر گھر جا کر یا کسی کارکن کو بھیج کر مال اٹھا کر لانے کی تاکید نہیں کرنا پڑی بلکہ صحابہ کرام نے از خود مال کے ڈھیر لگا دیے اور یہی کسی ضروری یا نیک

کام کرنے کے لیے مال دینے کا درست طریقہ ہے کہ لوگ دل کی خوشی سے مال لائیں۔

(۱) ابوعمرو جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دن کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر تھے۔ اتنے میں آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن تھے، اون کی چادریں یا دھاری دار کمبل اوڑھے ہوئے، ان کی اکثریت قبیلہ مضر میں سے تھی بلکہ سبھی مضر میں سے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فاقہ زدگی کا مشاہدہ کیا تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے پھر باہر آئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے اذان دی۔ پھر جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے تکبیر کہی اور نماز پڑھائی۔ پھر لوگوں سے خطاب فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. (النساء: ۱)

"لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، اور قطع رحمی سے بچو، بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

يَـٰٓأَيُّهَا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (الحشر: ۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا بھیجا اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

تلاوت کی ۔ پھر فرمایا: ہر آدمی کو چاہیے کہ صدقہ کرے اپنے دینار و درہم کا، اپنے کپڑے کا، گندم کے صاع کا، کھجور کے صاع کا، حتیٰ کہ فرمایا: چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ چنانچہ انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لے کر آیا (جو اتنی بھاری تھی کہ) وہ تھیلی کو اٹھانے سے عاجز آ رہا تھا پھر لوگ پے درپے آتے رہے یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر دیکھے، ایک خوراک کے سامان کا اور دوسرا کپڑوں کا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ کا چہرہ مبارک اس طرح چمک رہا تھا گویا سونے کا ٹکڑا ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر اس

کے بعد عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کوئی کمی جائے۔(مسلم: ۱۰۱۷)

کسی کے لحاظ میں چندہ دینا:

عموماً چندہ دیتے ہوئے یہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ چندے کی سفارش کرنے والا کون ہے؟ اگر وہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے یا اس سے ہمارا کوئی دوستی یا رشتہ داری کا تعلق ہے یا چند سرکردہ لوگ مل کر چندہ کی سفارش کرنے آئے ہیں تو ان سب کے لحاظ میں چندہ دے دیا جاتا ہے۔ تا کہ ان مانگنے والوں پر احسان ہو جائے، یا یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم اللہ کے لیے خرچ نہیں کرتے یا یہ لوگ جان لیں کہ ہماری ہمدردیاں بھی ان کی جماعت کے ساتھ ہیں۔

لوگوں میں اپنی رسید بک تقسیم کرنا:

اکثر تنظیمیں اپنی رسید بکیں اپنے کارکنوں میں تقسیم کر دیتی ہیں، کارکن انہیں مزید آگے لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں، یوں لوگوں سے فنڈ وصول کرنے پر بہت سے لوگوں کو لگا دیا جاتا ہے، رسید بک جسے دی جائے وہ نہ تو نیکی کا کام سمجھ کر انکار کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اتنی رقم اپنی جیب سے پوری کر دے اور نہ ہی اس کا ضمیر گوارا کرتا ہے کہ وہ لوگوں سے کہہ کر رقم مانگے۔

کارکن بڑے فخر سے یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح فلاں آدمی کو

ترغیب دی اور اس سے فنڈ نکلوایا۔ سربراہ جب کارکنوں سے رپورٹ لیتے ہیں تو جو کارکن زیادہ فنڈ نہیں دیتے ان کو بتاتے اور سنواتے ہیں کہ دیکھو فلاں نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تو اتنا مال جمع کر لیا، تم بھی کچھ ایسا ہی کرو۔

دیکھا جائے تو اس وقت این جی اوز اور جماعتوں نے قوم کے ہر بچے، مرد اور عورت کو مانگنے کا فن سکھا دیا ہے۔

جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو لوگ مانگنے کا کام کرتے ہیں وہ روزِ قیامت اس حال میں آئیں گے کہ ان کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ (بخاری: ۱۴۷۴)

گھر گھر جا کر فنڈ اکٹھا کرنا:

مدارس، مساجد، یتیم خانے، پولیو زدہ بچوں کی خبر گیری، مہاجرین کی بحالی وغیرہ کے نام پر گھر گھر جا کر فنڈ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ گھروں میں اس وقت جاتے ہیں جب مرد حضرات اپنے اپنے کام پر نکل چکے ہوتے ہیں۔ دروازے پر بیل دے کر السلام علیکم باجی...... کہہ کر اپنی بات کا آغاز کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض یتیم، پولیو زدہ، معذور، بے سہارا بچوں...... سیلاب زدگان، قحط زدگان، لٹے پٹے مہاجرین کی تصویریں بھی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

نوٹ بک یا رسید بک کے علاوہ بعض یتیم بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں جو گا گا کر

اپنی مظلومیت کا رونا روتے ہیں، عورتیں نرم دل، جذباتی، ہر بات پر یقین کرنے والی ہوتی ہیں وہ مظلوموں کی تصویریں دیکھ کر یا کہانیاں سن کر یا ان کی حالت کے بارے میں جان کر فوراً کچھ نہ کچھ دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔

اکثر ایسے لوگ اخلاقی طور پر نہایت گھٹیا ہوتے ہیں، موقع ملے تو عورتوں پر دست درازی ...... یا نگاہِ غلط ڈالنے سے بھی نہیں چُوکتے۔ بلکہ میدان خالی ہو تو ڈکیتی اور چوری بھی کر گزرتے ہیں۔

حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے تنہا ہونے کی صورت میں ان کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔ (مسلم، کتاب السلام)

گھر گھر جا کر مانگنے والوں کو بعض گھروں سے خاصی تلخ باتیں سننا پڑتی ہیں، انہیں خوب ذلیل کیا جاتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ جب تک ضدی بھکاریوں کی طرح کچھ ملے نہ، دروازے سے نہیں ٹلتے۔

ان میں سے اکثریت انتہائی گھٹیا ذہنیت کی حامل ہوتی ہے۔ ان کے پاس جعلی رسید بکیں، جعلی تصویریں ہوتی ہیں، یہ مظلوموں کے نام پر اپنے پیٹ کے لیے مانگتے ہیں، کبھی آٹھ دس افراد ...... اور کبھی صرف ایک فرد! فرضی یتیم خانے، مدرسے، مسجد، پولیو زدہ بچوں یا مہاجرین کی بحالی جیسے امور کا ذمہ دار ہوتا ہے انہیں روزانہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے باہم نسبت تناسب سے تقسیم کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ اتنے سخت جان واقع ہوتے ہیں کہ گھر کے دروازے پر بھیک مانگنے والوں کی طرح چمٹ جاتے ہیں، کوئی لاکھ انکار کرے وہ بار بار مالی مدد پر اصرار کریں گے، آخر کار صاحبِ خانہ کو کچھ نہ کچھ دے کر انہیں بھیجنا پڑتا ہے۔

عورتوں کا صدقہ وخیرات کرنا:

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار عورتوں سے عید کے خطبہ میں فرمایا:

''عورتو! تم خیرات کیا کرو کیونکہ مجھے دکھلایا گیا ہے کہ دوزخ میں بہت سی عورتیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: تم بہت کوسنے دیتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم جیسا کم عقل اور ناقص دین والا کوئی نہیں دیکھا، تم ہوشیار مرد کی عقل کھو دیتی ہو۔ اس کے بعد آپ گھر لوٹے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی آئیں۔ انہوں نے اجازت مانگی۔ کسی نے کہا: یا رسول اللہ زینب دروازے پر کھڑی ہے۔ آپؐ نے پوچھا: کون سی زینب؟ کہا گیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔ آپؐ نے فرمایا: آنے دو۔ وہ آئیں تو کہنے لگیں کہ آپؐ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا لیکن میرا خاوند کہتا ہے کہ وہ اور اس کے بچے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ابن مسعود سچ کہتا ہے تیرا خاوند اور تیرا بیٹا سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کرنا چاہے زیادہ حق دار ہیں۔ اور اس میں تیرے لیے دہرا اجر ہے۔ (بخاری، باب الزکاۃ علی الاقارب)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ

☆ عورت اپنا ذاتی مال بھی شوہر کو بتا کر خرچ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

☆ صدقہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے قریبی اعزہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ قریبی عزیزوں کے مستحق ہونے کی صورت کسی اور کو صدقہ دینا درست طرزِ عمل نہیں۔

☆ قریبیوں پر خرچ کرنے میں دوہرا اجر ملتا ہے ایک صدقہ کا، دوسرے قرابت پر خرچ کرنے کا۔

ہمارے معاشرے میں صدقہ (فنڈ، مالی تعاون) جمع کرنے والے لوگ مردوں کی نسبت عورتوں سے زیادہ رجوع کرتے ہیں کیونکہ عورتیں نرم دل، حساس اور جلد کسی بات کا اثر قبول کر لینے والی ہوتی ہیں وہ کسی کی پریشانی کے بارے سن کر پریشان ہو جاتی اور ہر قسم کا تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، چنانچہ وہ مالی تعاون بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرتی ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان پر کسی کی کفالت کا بوجھ نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ اپنی گرہ سے خرچ کرنے کی بجائے عموماً اپنے خاوند، باپ، بیٹے وغیرہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتی ہیں۔ وہ سوچتی ہیں کہ موجودہ زیور یا رقم صدقہ کر دو اور بعد میں پھر اپنے شوہر، بیٹے، باپ سے اور لے لوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کوئی عورت بھی اپنے خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے۔ پوچھا گیا کہ کھانا بھی؟ آپؐ نے فرمایا: کھانا تو تمہارے بہترین مال میں سے ہے۔ (ترمذی: ۳۱۲۰)

☆ اگر ان کے پاس ان کے شوہر، یا کسی اور رشتہ دار کا مال ہے تو یہ مال صاحبِ مال کی ملکیت ہے نہ کہ اس عورت کی۔ لہٰذا اسے صاحبِ مال سے اجازت لے کر خرچ کرنا چاہیے بغیر اجازت خرچ کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر وہ مرد کے مزاج کو سمجھتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہ مال خرچ کرنے سے ناراض نہیں ہوگا اور اتنا مال خرچ کرتی ہے جس کے خرچ کرنے سے شوہر کی مالی ضروریات میں کوئی حرج بھی واقع نہیں ہوتا تو اسے چاہیے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر عورت خاوند کے کھانے میں سے خرچ کرے اور وہ فساد مچانے والی نہ ہو تو اس کو بھی اجر ملے گا اور خاوند کو کمانے کا اجر ملے گا اور خزانچی کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ: ۱۴۳۷)

چندہ لینے والے کو پہنچنا چاہیے یا دینے والے کو:

انفاقِ فی سبیل اللہ شرعاً ایک عبادت ہے۔ یہ عبادت کرنے والے پر موقوف ہے کہ وہ کب، کس طرح اور کس دل سے اسے بجا لاتا ہے۔ فرض عبادت یعنی

زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کا ظاہر کرنا عیب نہیں لیکن نفلی صدقات کے بارے میں یہ تاکید ہے کہ

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ:۲۷۱)

''اور اگر تم اسے (صدقے کو) چھپاؤ اور محتاجوں کو دے دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کیا جس میں یہ ذکر ہے کہ روزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ دیا کہ دایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ (بخاری، کتاب الزکوۃ)

صدقہ دینے والے کا کام ہے کہ وہ مناسب جگہ تلاش کرے اور ضرورت مند تک پہنچ کر اس کی ضرورت پہنچائے اور کوشش کرے کہ اسے خفیہ بھی رکھے۔ اگر وصول کرنے والے خود پہنچ جائیں تو دینے والا خود چل کر جانے کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے نہ ہی وہ یہ موازنہ کرتا ہے کہ وہ کہاں خرچ کرنے کو ترجیح دے۔ جس ادارے یا تنظیم کے کارکن پہنچ گئے یا جن کو دینے کا وعدہ کرلیا، ان کے حوالے کر دیا۔

خازن، امین اور چندہ اکٹھا کرنے والے

جو لوگ دوسرے سے مدد (چندہ) حاصل کر کے کسی رفاہی یا دینی کام پر خرچ کرنے کا ذمہ لیتے ہیں، یا جو لوگ چندہ اکٹھا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں یا جنہیں لوگ اپنا مال کسی تنظیم یا مستحق شخص تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپ دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو اس کام کا خازن یا امین بنایا جاتا ہے کہ وہ ادارے، تنظیم یا حکومت کی ہدایات کے مطابق عوام سے جمع شدہ رقوم یا اشیاء تقسیم کریں یا ان کی حفاظت کریں گے ان کو چاہیے کہ وہ اپنا جائزہ لیں! کیا

☆ وہ امانت وصداقت کے ساتھ یہ کام کرسکیں گے؟

☆ کیا وہ واقعی اس ذمہ داری کا حق ادا کرسکیں گے؟

☆ کیا وہ لوگوں کا مال جو اللہ کے لیے ان کے پاس جمع ہوگا اسے اپنی درست جگہ پر استعمال کرسکیں گے؟

☆ کہیں ذاتی طمع تو آڑے نہیں آجائے گا۔

دراصل کچھ کام اور افراد ایسے ہیں جن کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے بغیر خواہش کیے بنا دیا ہے جیسے بچوں کی تربیت، افرادِ خانہ کی کفالت یا فوت ہونے والے کی وراثت کی ٹھیک تقسیم کرنے کی ذمہ داری وغیرہ۔ الحمدللہ! ان ذمہ

داریوں کو ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہر مرد اور عورت میں صلاحیت بھی رکھی ہے کیوں کہ اصول یہ ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

دوسرے لوگوں کے کام کرنے یا ان کے مال کو درست جگہ استعمال کرنے کی ذمہ داری فرض نہیں بلکہ یہ ایک رضا کارانہ کام ہے۔لہٰذا اپنے آپ کو خوب جانچ پرکھ لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خود اپنے سر لیا ہوا بوجھ آخرت میں باعثِ اجر کی بجائے باعثِ عذاب بن جائے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے چچا کے دو بیٹے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے۔ہم میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو معاملات آپ کے سپرد کیے ہیں ہمیں بھی ان میں سے بعض پر امیر مقرر کر دیجیے۔دوسرے نے بھی اسی قسم کی بات کی۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم ان معاملات پر اس کو امیر نہیں بنائیں گے جو خود مطالبہ کرتا ہے یا اس کی حرص رکھتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ: ۱۲/۲۱۵۔ بخاری: ۶۹۲۳۔ مسلم: ۱۷۳۳۔ سلسلہ احادیث صحیحہ اردو ترجمہ: ۱۷۴۰)

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اجتماعی

معاملات کی ذمہ داری از خود اپنے سر اٹھا لینے کو نا پسند کیا ہے لہٰذا نجات اور عافیت کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے کسی اجتماعی معاملے کی ذمہ داری اپنے سر از خود نہ لی جائے۔

سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لیے نمائندہ بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا: ابومسعود! جاؤ (اور زکوٰۃ وصول کرو) کہیں ایسا نہ ہو کہ تو قیامت کے روز آئے اور تیری پیٹھ پر صدقے کا اونٹ ہو، جسے تو نے خیانت (کر کے) لیا ہو اور وہ بلبلا رہا ہو۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (اگر یہ وعید ہے) تو میں جاتا ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اگر تو احتیاط کرنا چاہتا ہے) تو میں تجھے مجبور نہیں کرتا۔ (ابوداؤد: ۲۹۴۷)

اس حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی احتیاط کے طور پر یا اپنی کمزوری کو جانتے ہوئے مسلمانوں کے کسی اجتماعی معاملے کی ذمہ داری یا ان کے مالی معاملات کی ذمہ داری سے گریز کرتا ہے تو اس پر زبردستی نہیں کرنا چاہیے۔

غور کیجیے! ہمارے ہاں کسی تنظیم یا جماعت کا خازن یا مسئول یا امین المال یا سیکرٹری مالیات بننا باعثِ فخر سمجھا جاتا ہے جب کہ صحابہ کرام اس ذمہ داری سے کتراتے تھے۔

اگر ذمہ داری اٹھا لی ہے تو ایک ایک پیسے، ایک ایک رتی بھر چیز کا بھی خیال

رکھنا ہوگا کہ کہیں وہ ادھر ادھر نہ ہو جائے یا غلط جگہ پر خرچ نہ ہو جائے۔

ایک شخص رفاعہ بن زید نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام تحفہ میں دیا جس کا نام مدعم تھا۔ اس کے بعد آپؐ وادی القریٰ کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچنے پر آپ کو مِدعم سواری پر سے اتار رہا تھا۔ اس کو ایک تیر آ کر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ لوگوں نے کہا: اسے جنت مبارک ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس نے خیبر کے دن اموالِ غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے ایک کمبل چرایا تھا جو آگ کے شعلے بن کر اس کے گرد لپٹ رہا ہے۔ جب لوگوں نے آپ کا یہ ارشاد سنا تو ایک شخص تسمہ یا دو تسمے لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اگر تم انہیں داخل نہ کراتے تو قیامت کے روز یہ تسمے تمہیں آگ بن کر جلاتے۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر نیز کتاب الایمان والنذور)

لہٰذا فی سبیل اللہ جمع کیے گئے اس مال کے متعلق بہت چوکنے رہنا چاہیے کہ کہیں یہ روزِ قیامت وبال ہی نہ بن جائے۔

کس آدمی نے کیا دیا؟ کس مد میں دیا؟ رسید اور حساب کیا ہے؟ کس نے کہہ کر کتنا مال دلوایا؟ کتنا باقی بچا؟

جو لوگ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ مال کہاں کہاں خرچ کرنا ہے، کتنا کتنا خرچ

کرتا ہے؟ انہیں چاہیے کہ وہ غیر جانب دار ہو کر فیصلہ کریں اور حقیقی ضرورت کی جگہوں پر خرچ کریں، غیر اہم یا فضول جگہوں پر اس فی سبیل اللہ مال کو خرچ نہ ہونے دیں۔ نیز یہ بھی خیال رکھیں کہ زکوٰۃ، قربانی کی کھالوں کی رقم اور فطرانہ صرف انہی جگہوں پر خرچ کیے جائیں جہاں خرچ کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ ہر طرح کے مال گڈمڈ نہ کریں۔

کچھ شرعی کوتاہیاں

دورِ حاضر میں دینی کام ہو یا رفاہی، ان سب میں شریعت کے عطا کردہ طریق، شرائط اور آداب کو نظر انداز کرنے کی روش عام ہے جب کہ غیر ملکی این جی اوز کی طرح خرچ کرنے اور رفاہی کام کرنے کا انداز عام ہو چکا ہے۔ نتیجہ یہ کہ شرعی لحاظ سے بہت سی کوتاہیاں اس کام میں بھی در آئی ہیں جن کی وجہ سے مخیّر حضرات کا خرچ کیا ہوا مال، وقت اور محنت ضائع ہونے کا امکان ہے۔ آیئے! ایک نظر اس پر بھی ڈال لیں:

تشہیر:

اکثر ادارے مختلف مواقع پر جس قدر فنڈ جمع ہوتا ہے، اس کی رپورٹ عام اخبارات، اپنے ترجمان رسائل، تعارفی کتابچوں کے ذریعے شائع کرتے ہیں مثلاً عیدالفطر پر فطرانہ کی جمع شدہ رقم ...... عیدالاضحیٰ پر کھالوں کی تعداد ...... سیلاب زدگان کے لیے امدادی رقوم ...... وغیرہ اس طریقِ کار میں درج ذیل شرعی قباحتوں سے بچنا چاہیے:

☆ اعداد و شمار پیش کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لیا جائے۔

☆ دوسری جماعتوں یا اداروں پر اپنی عددی اور مالی برتری، نیز ان کے مقابلے

میں زیادہ عوامی مقبولیت کا احساس دلانا مقصود نہ ہو۔

☆ جس کے اعداد وشمار دوسروں سے کم ہیں وہ زیادہ اعداد وشمار کا دعویٰ کرنے والی جماعت یا فرد کی حاسِد یا رقیب نہ بنے۔

☆ یہ نیت نہ ہو کہ لوگ ایسا کرنے سے یہ سمجھیں گے کہ یہ جماعت/انجمن مخلصانہ کام کر رہی ہے اور لوگ اسے مالی امداد دینے میں ترجیح دیں گے۔

☆ بہتر یہ ہے کہ رپورٹ صرف متعلقہ افراد کے لیے ہی تیار کی جائے اور ان تک پہنچا دی جائے، غیر متعلقہ لوگوں میں اس کی تشہیر نہ کی جائے۔

تصویر:

تشہیر ہی کا ایک حصہ تصویر بھی ہے۔ انسانی تصویر بنانے یا کھینچنے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ جہاں کتا اور تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ (مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)

اس کے باوجود لوگ اسے تشہیر کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے اکثر اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ فلاں صاحب بیواؤں میں سلائی مشین، آٹے کے تھیلے یا کپڑے ...... طالب علموں میں کتابیں کاپیاں ...... سیلاب زدگان کو کھانا ...... فلاں حادثہ پیش آنے والے کے لواحقین کو اتنی رقم کا چیک ...... پیش کر رہے ہیں غرض اگر چند روپے کسی کی امداد میں دیتے ہیں تو ساتھ ہی کھٹ سے

تصویر بھی اتروالی جاتی ہے، تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

بعض ادارے/جماعتیں ...... اپنے تمام پروگراموں، عمارات اور مہم کی ویڈیو اور آڈیو تیار کرتی اور اہم شخصیات اور اداروں کے پاس بھیجتی ہیں تاکہ وہ ان کی کارکردگی سے متاثر ہو کر انہیں امداد دیں۔ اس میں بھی یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کہیں خود نمائی کا جذبہ تو نہیں۔ یاد رہے کہ شرعاً بے جان چیزوں کی تصویر بنانا یا کھینچنا جائز ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تصویر ایک فتنہ)

☆ تصویر، تشہیر کتابچوں اور رپورٹوں پر جو محنت، وقت اور مال خرچ کیا جاتا ہے وہ لوگوں ہی کے مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے۔

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کیا، قیامت کے روز اللہ اس کا عذاب لوگوں کو سنائے گا اور جس نے دکھاوے کے لیے کوئی نیک کام کیا، قیامت کے روز اللہ لوگوں کو اس کی ذلت اور رسوائی دکھائے گا۔ (مسلم، کتاب الرقاق: ۵۰۳۱)

☆ ریا کرنے سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ (البقرہ: ۲۶۴)

☆ اپنی تعریف آپ کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا اور فرمایا:

لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَهْلَ الْبِرِّ مِنْكُمْ.

"اپنے آپ کو پاک صاف مت کہو اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون تم میں سے

زیادہ نیکوکار ہے۔ (مسلم)

☆ تشہیر اور تصویر میں تفاخر اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری کا زعم بھی پایا جاتا ہے۔ حالاں کہ ربّ کریم نے اس سے بھی منع کیا اور فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرات:۱۳)

"بے شک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے بے سہارا چھوڑے، نہ اسے حقیر سمجھے، تقویٰ یہاں ہے، اور آپؐ نے تین بار اپنے دل کی طرف اشارا کیا پھر فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنے لگے، مسلمان کی سب چیزیں دوسروں پر حرام ہیں، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ)

زیادہ چندہ فراہم کرنے والے:

☆ زیادہ چندہ فراہم کرنے والوں کا ادارے یا انجمن پر دھونس جمانا اپنے اجر کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے۔ فرمان ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرہ)

"اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔"

☆ زیادہ چندہ فراہم کرنے والوں کی رائے کو دوسروں کے مقابلے میں اہمیت دینا درست نہیں البتہ صائب رائے کسی کی بھی ہو قبول کی جانی چاہیے۔

علمائے حق نے ہمیشہ یہ اصول رکھا کہ وہ کسی دنیادار رئیس سے مال لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَتٰی اَبْوَابَ السَّلَاطِیْنَ اُفْتُتِنَ.

"جو بادشاہوں کی چوکھٹ پر گیا وہ فتنوں میں پڑ گیا۔"

(ابوداود:۲۸۵۹۔ترمذی:۲۲۵۶)

لہٰذا تکبر و غرور میں مبتلا اور ناموری کے خواہش مند لوگوں سے مدد مانگنے کے لیے ان کے ہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے۔

مولانا قاسم نانوتوی نے مدرسہ دیوبند کے لیے جو وصیت کی کہ اس میں یہ بھی وصیت کی:

☆ سرکار اور امرا کی شرکت مضر معلوم ہوتی ہے۔

☆ نامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے ناموری کی امید نہ ہو۔ اہلِ چندہ کی حسنِ نیت کی وجہ سے پائیداری کا سامان زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم ج:۱ص:۱۵۴)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہمیں خیرات کرنے کا حکم ہوا، اس وقت ہم بوجھ اٹھا کر مزدوری کیا کرتے تھے تو ابو عقیل رضی اللہ عنہ (مزدوری کر کے) آدھ صاع (کھجوریں) لے کر آئے اور ایک شخص (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) بہت زیادہ مال لائے۔ اس پر منافقین کہنے لگے: ابو عقیل کی خیرات کی اللہ کو کیا پروا تھی؟ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تو دکھاوے کے لیے اتنا زیادہ مال خیرات کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ ....(بخاری، کتاب التفسیر)

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کوئی زیادہ مال دے یا انتہائی قلیل اصل چیز اخلاصِ نیت ہے اور اسی کے مطابق اجر کا فیصلہ ہوگا۔

تعاون کرنے والوں کی کمائی:

دورِ حاضر میں اکثر لوگوں کی کمائی حرام ہے اور وہ اپنے خیال میں حرام کمائی میں سے مختلف رفاہی کاموں میں خرچ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اب ان کا حرام مال پاک ہو گیا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ مال قبول کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک آدمی طویل سفر کر کے ایک مقدس مقام پر اس حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں، جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا

اٹھا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پہننا حرام اور حرام غذا سے اس کی نشوونما ہوئی ہے تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔" (مسلم، کتاب الزکاۃ:۲۳۴۹)

دنیوی کاموں کے لیے تو تحقیق کی ضرورت نہیں لیکن دینی مدارس و جہاد وغیرہ کے لیے حلال مال ہی قبول کرنا چاہیے تاکہ اس نیک کام میں برکت ہو۔ مثلاً دینے والے کا مال حرام نہ ہو۔ سود یا رشوت نہ لیتا ہو، کوئی حرام کاروبار نہ کرتا ہو۔ اس نے شرعی حصہ داروں کا حصہ اپنی جائیداد میں سے ادا کر دیا ہو۔ اس کے رشتہ دار اور پڑوس میں کوئی مستحق ہے تو پہلے اس کی ضرورت پوری کرنے کا احساس رکھتا ہو۔

تنظیم یا ادارے کا کام اصلاً اللہ کا کام ہے اور وہی اس کو پورا کرے گا۔ مولنا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

ان شرائط کے بعد آمدنی تو کم ہو گی لیکن اس میں برکت بہت ہو گی کیوں کہ وہ خالص اللہ کے لیے دیا ہوا مال ہو گا۔ حدیث میں ہے اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. "صدقہ کر کے آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی گٹھلی کے درمیان شگاف کے برابر ہی چیز ہو۔" لہٰذا یہ فکر نہ کی جائے کہ بہت سا ہی وصول ہو یہ فکر ہونی چاہیے کہ جتنا ہو جائز طور پر وصول ہو۔ (الامداد ربیع الثانی ۱۴۲۱)

یاد رہے کہ مسلمان کا مال عام حالات میں حلال ہی سمجھا جائے گا، ارادۃً اس

کے ذرائع آمدنی کے متعلق تحقیق نہ کی جائے لیکن اگر کسی قرینے سے یا واضح طور پر پتا چل جائے کہ اس شخص کی کمائی حرام ہے تو پھر اس کا صدقہ اور تعاون خالص دینی امور میں قبول نہ کیا جائے البتہ ہنگامی آفات کے وقت قبول کرلیا جائے کیوں کہ یہ ایک اضطراری صورت ہوتی ہے اور ایسے حالات میں حرام مال کا استعمال بھی مضطر شخص کے لیے جائز ہے۔

کارکنوں کی تنخواہوں کا معاملہ:

کسی بھی تنظیم، ادارے یا جماعت میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

☆ بانی، سرپرست اور کرتا دھرتا لوگ مثلاً صدر، سیکرٹری وغیرہ۔

☆ ملازم کی حیثیت سے کام کرنے والے مثلاً ڈرائیور، باورچی، کلرک، خاکروب، چپڑاسی، وکیل، استاد، ڈاکٹر، مدرس، تحقیق وتصنیف کا کام۔

☆ کارکن جو ادارے یا تنظیم کے ہر پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کرتے ہیں۔

اکثر این جی اوز اور تنظیمیں ان تینوں قسم کے لوگوں کو تنخواہ دیتی ہیں۔ جہاں تک باقاعدہ ملازمین کا تعلق ہے ان کی تنخواہ دورِ حاضر کے معاوضے کے مطابق رکھنی چاہیے اگر وہ خود کم پر آمادہ ہو جائیں یا نہ لینا چاہیں تو اور بات ہے۔

کارکنوں کا کام پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کرنا ہے، مثلاً جلسے

کے پروگرام سے قبل لوگوں میں دعوت نامے تقسیم کرنا، لوگوں کو لانے کے لیے گاڑیوں کا انتظام کرنا، جہاں پروگرام ہے اس جگہ پر تمام انتظامات کرنا، آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کرنا، ان کے کھانے پلانے کا انتظام کرنا وغیرہ۔

اسی طرح مقرر کیے گئے اہداف کو پورا کرنے کے لیے یا ہنگامی حالات میں کام کرنے کے لیے کارکن ہی زیادہ کام کرتے ہیں لیکن کارکن کے ذمہ نہ تو ہمہ وقتی کام ہوتا ہے اور نہ ہی پیشگی اس کی نوعیت معلوم ہوتی ہے۔

اگر کارکن رضا کارانہ کام کرتے ہیں یا حصولِ ثواب کے لیے کام کرتے ہیں تو انہیں تنخواہ نہیں لینی چاہیے اور جو تنخواہ نہ لینا چاہے اسے زبردستی دینی نہیں چاہیے، اس لیے کہ یہ نیکی کا کام ہے۔

اسی طرح جو لوگ تشہیر، تعارف اور چندہ کی فراہمی کے لیے کام کرتے ہیں، اگر وہ دینی تنظیم ہے تو پھر ایسے لوگوں کا تنخواہیں یا کمیشن لینا یا ان لوگوں کا کچھ لینے کا طمع کرنا درست نہیں۔ کیا انفاق فی سبیل اللہ یا خدمتِ دین اور خدمتِ خلق جیسی عبادات بھی دنیوی کاروبار اور مصنوعات کی طرح ایجنٹوں، دلالوں اور مشتہروں کی مرہونِ منت ہیں؟

رہے سرپرست، بانی، صدر و منتظم وغیرہ حضرات تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ بلا تنخواہ اپنی خدمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔

اگر کوئی اپنا تمام وقت اپنے ادارے یا انجمن کے ہی کام میں مصروف رہتا ہے اور کمانے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں بچتا تو وہ فنڈز میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے کسی یتیم کے سرپرست کو اس کے محتاج ہونے کی صورت اجازت دی ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ بحیثیت خلیفہ میرا حصہ بیت المال میں اسی قدر ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں اس کے محتاج سرپرست کا۔ (تفسیر ابن کثیر، سنن البیہقی)

مولنا مفتی محمد شفیع سورۃ النساء کی آیت:۶ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

''آیت کے سیاق سے ایک فقہی ضابطہ اور اصول معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اوقاف کے نگران یا مساجد و مدارس کے منتظم یا مسلم حکومتوں کے ذمہ دار یا ایسی ہی دوسری ملکی و ملی خدمات انجام دینا جن کا فرضِ کفایہ ہے ان پر مامور ہیں۔ ان حضرات کے لیے اعلیٰ اور افضل یہی ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو کہ وہ بیوی بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں۔ اگر اپنے پاس گزارے کے لیے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقات ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بہ قدرِ ضرورت ان اداروں سے لے لینے کا اختیار ہے لیکن بہ قدرِ ضرورت کا لفظ پیشِ نظر رہے، بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پُری کے طور پر اپنا کچھ ماہانہ مقرر کر لیتے ہیں

لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ اپنی ذات اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں، اس بے احتیاطی کا مداوا بجز خوف الٰہی کچھ نہیں جس کی طرف آیت کے اخیر ٹکڑے میں وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا فرما کر عوام و خواص کی توجہ دلائی گئی، جسے اللہ کے محاسبہ کا خیال ہو وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے۔ (معارف القرآن، ج: دوم، ص: ۳۰۶)

حاصل یہ کہ اگر کسی تنظیم کے سرپرست یا کارکن تنخواہ لینا بھی چاہیں تو وہ اسی قدر لے سکتے ہیں جس قدر ایک غریب ترین آدمی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رقم درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدین نے بھی اپنی تنخواہ اور معیارِ زندگی قوم کے نادار طبقے کے مطابق رکھا۔ متوسط یا خوش حال طبقے کے مناسب حال تنخواہ لینا درست نہیں۔ نیز صرف تنخواہ پر اکتفا کرنا ہوگی کسی دوسری چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز رات کو چراغ جلا کر عوام کی کچھ درخواستیں پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں کوئی صاحب ملنے آ گئے تو انہوں نے وہ چراغ بجھا دیا اور دوسرا جلا لیا۔ استفسار پر آپ نے بتایا کہ پہلا چراغ حکومت کے تیل پر جل رہا تھا۔ اور اس وقت میں حکومتی کام کر رہا تھا جب ذاتی کام میں مشغول ہوا تو چراغ بھی ذاتی جلا لیا۔

بعض لوگوں نے امدادی رقوم کو بیت المال اور تنظیم کے سرپرست کو خلیفہ وقت

کی سی حیثیت دے کر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کی حیثیت سے ادارے میں مختلف خدمات انجام دینے والوں کا تنخواہ وصول کرنا جائز ہے حالاں کہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر یہ خیال محلِ نظر ہے۔

☆ خلیفہ، عاملین اور بیت المال تینوں کے بارے میں پوری قوم کو پتا ہوتا ہے کون سی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں جب کہ کسی این جی اوز یا مذہبی ورفاہی تنظیم کے سربراہ کے نام، کام اور اس کے عاملین (ورکرز) سے بعض اوقات عوام میں سے چند اشخاص بھی واقف نہیں ہوتے، نہ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عوام سے مالی امداد کے نام سے حاصل کی گئی رقم میں سے کتنی رقم اپنی تنخواہ یا ضروریات پر خرچ کرتے ہیں اور کتنی رقم دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔

☆ خلیفہ اور عاملینِ زکوٰۃ پر قوم کسی خرد برد کی صورت میں احتساب کر سکتی ہے لیکن ان لوگوں کا احتساب کوئی نہیں کر سکتا۔

☆ عاملینِ زکوٰۃ اور خلیفہ پوری قوم کے ملازم ہوتے ہیں جب کہ کسی تنظیم کے سرپرست اور عاملین اپنی تنظیم ہی کے ملازم ہوتے ہیں۔

ادارے کی دیگر چیزوں سے فائدہ اٹھانا:

این جی اوز اور رفاہی اداروں کے سرپرست کا ادارے کی عمارت، گاڑی، سٹیشنری اور دیگر تمام اشیاء کو اپنی ملکیت کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ

سب چیزیں چندہ دینے والوں کے مال سے اس لیے بنائی جاتی ہیں تاکہ وہ ادارے کی اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں۔

شرعاً ادارے کے اراکین یا ملازموں اور کارکنوں کی تحویل میں یہ سب چیزیں امانت کے طور پر ہوتی ہیں۔

مہمانِ خصوصی:

این جی اوز ہوں یا دینی ادارے، سرکاری تقریبات ہوں یا رفاہی تنظیموں کی تقریبات ...... سبھی اپنے پروگرام، جلسے، تقریبات کے لیے کسی خاص مہمان کی تلاش میں ہفتوں دماغ لڑاتی اور مطلوبہ شخصیت تک رسائی کی کوششیں کرتی رہتی ہیں۔ ایسی شخصیات بھی رسماً اور مروتاً مہمانِ خصوصی بننے کا مطالبہ پورا کرتی رہتی ہیں، ان کے اکثر ایام اسی کام کے لیے پہلے سے طے ہو چکے ہوتے ہیں، بعض اوقات تو اس مہمان خصوصی کی رخصت دیکھ کر اپنے پروگرام کا وقت طے کیا جاتا ہے۔ عموماً ایسی شخصیت تلاش کی جاتی ہے جس پر اس انجمن کا رعب پڑے، کام سے متاثر ہو کر یا تو چندہ دے یا دلوانے کا باعث بنے یا اس شخصیت کے نام کی وجہ سے لوگ زیادہ تعداد میں آئیں اور مالی معاونت کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔

مہمانِ خصوصی کا یہ چکر بھی مغرب سے آیا ہے۔ مسلمانوں میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے جب صحابہ نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ایک چبوترا بنا

دیتے ہیں جس پر آپ بیٹھا کریں اور لوگ آپ کو پہچان لیا کریں تو آپ ﷺ نے انکار کردیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد صدیوں خلفاء، امرا، عمال اور قاضی مساجد میں یا کسی چوپال میں یا کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ اگر اسلام میں مہمان خصوصی کا رواج ہوتا تو صحابہ کرام کی نظر میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اس کا کوئی حق دار نہیں تھا اور تابعین کے لیے صحابہ سے بڑھ کر کوئی شخصیت خاص نہیں تھی لیکن مہمان خصوصی کا رواج ہمیں گزشتہ صدی میں ملتا ہے اور وہ بھی انگریزوں کے ہاں جو رفتہ رفتہ مسلمانوں میں بھی پھیل گیا ہے۔

مہمان خصوصی کے لیے گاڑی کا انتظام، آمد ورفت کا کرایہ، خاص اہتمام سے تیار کی گئی ضیافت، ٹھہرانے کے لیے مناسب جگہ یہ سب بلانے والوں کو کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مزید اخراجات بھی بڑھتے ہیں، وقت اور توجہ بھی فضول کام کی نذر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مہمان خصوصی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے اور ٹھہرانے کا جھمیلا بھی مول لینا پڑتا ہے۔

اگر کسی کو مہمان خصوصی بننا پڑ ہی جائے تو مہمان نوازی کے خصوصی آداب (پروٹوکولز) لینے سے میزبان کو منع کر دینا چاہیے اور ایک عام آدمی کی طرح پروگرام میں شمولیت کی جائے۔

تحائف اور انعامات دینا:

سالانہ تقریبات پر اکثر ادارے اور انجمنیں اپنی خاص خدمات انجام دینے والوں کو انعامات اور تحائف دیتی ہیں۔ ساتھ ہی وہ کام جس کے لیے اور جس کے نام پر یہ ادارہ تشکیل دیا گیا ہے اس میں باقاعدہ کام کرنے والوں یا طالب علموں یا مزدوروں کو حسنِ کارکردگی کے انعامات اور سرٹیفکیٹ اور ٹرافیاں دی جاتی ہیں۔ اس میں بھی بعض امور کو پیش نظر رکھنا بہتر ہے۔

☆ ایسا انعام یا تحفہ دینا جو کسی بھی کام نہ آسکے، یہ فضول تحفہ ہے۔ مثلاً ٹرافیاں اور شلیڈز وغیرہ نیز یہ سب انگریزوں کا طریقہ ہے۔

☆ اس شخص کو تحفہ یا انعام دینا جو اس ادارے کے سرپرست اراکین یا معاونت کرنے والوں میں شامل ہے۔ بھلا اپنے آپ کو اپنی کارکردگی یا کام پر انعام دینے کی بھی کوئی تک بنتی ہے؟

☆ مہمان خصوصی کو کوئی تحفہ دینا، بھلا اسے کس استحقاق کی بنیاد پر یہ تحفہ دیا گیا ہے۔

☆ ادارے میں صرف سیکھنے کے لیے آنے والوں کو انعام دینا یا ملازمین کو انعام دینا جائز ہے۔

یاد رہے کہ یہ سب (شرعاً غلط یا صحیح) انعامات بھی چندے کی رقوم ہی سے دیئے جاتے ہیں۔

خالص دینی ادارے

تدریس، تبلیغ، تصنیف و تحقیق اور جہاد کی غرض سے بنائی گئی تنظیمیں یا ادارے اور مساجد وہ مراکز ہیں جو علما کی سرپرستی میں کام کرتے ہیں۔

ہمارے اسلاف یہ تمام کام صرف لوجہ اللہ کرتے تھے، انہیں کسی قسم کے معاوضے، تعریف، ناموری، انعام و اکرام وغیرہ کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔ وہ دنیوی چیزوں سے اپنے آپ کو بہت حد تک دور رکھتے، امراء و سلاطین کے ہاں جانے کو وہ دنیا طلبی خیال کرتے اور حقیقتاً یہ بات ایسی ہی ہے۔ نادار طالب علموں کی مدد خود کرتے، بہت قلیل معاش پر گزارہ کرتے، ان کی ضرورتیں بہت کم تھیں یہاں تک کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو محنت مزدوری کرنے کے لیے کچھ وقت نکال لیتے، جب کہ بعض کو والد کی طرف سے ملی ہوئی جائیداد یا کسی سے کاروبار کی شراکت کی وجہ سے جو کچھ ملتا اسی میں گزر بسر کر لیتے۔

بڑے بڑے مکان، آسائشوں کا حصول، گھریلو ساز و سامان اور خادموں سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی، وہ اپنے کام کو عبادت سمجھ کر اور عنداللہ اپنے ذمے ایک مقدس فریضہ سمجھ کر دین کا کام کرتے۔ ان کی اپنے کام میں لگن اور دنیا سے بے

رغبتی دیکھ کر امرا و سلاطین یہ خواہش کرتے کہ کاش یہ اللہ کے بندے ان کی طرف سے کوئی ہدیہ قبول کر لیں لیکن اکثر علماء ہدیہ بھی قبول نہیں کرتے تھے، ان کی فراست کا یہ فیصلہ تھا کہ جب وہ دنیوی چیزوں کی خواہشات میں پڑ جائیں گے تو ان میں اخلاص نہیں رہے گا اور ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ جب کہ امراء و سلاطین کے ہدیے قبول کر لینے سے ان کی غیرت اور خودداری ختم ہو جائے گی، انہیں امراء و سلاطین کی کسی نہ کسی موقع پر جانب داری یا چاپلوسی کرنا پڑے گی یا ان کی بات ماننا پڑے گی، اسی طرح ان کے اس منصب (جو انبیاء کی وراثت ہے اس) پر بٹہ لگ جائے گا۔ ان کی اس للّٰہیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام و خواص کے دلوں میں ان کی عزت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لوگ ان سے دین سیکھتے اور سمجھتے تھے، علماء کی کہی ہوئی بات عوام و خواص کے لیے سونے سے زیادہ قیمتی ہوتی تھی۔ خلفا علماء کی جوتیاں سیدھی کرنے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، ان علمانے حق کے لیے حکومتِ وقت سے بھی ٹکر لی، نتیجے میں کوڑے کھائے، قید کاٹی، لیکن اپنے علمی مقام اور زہد و استغنا کا وقار بحالہ قائم رکھا، اپنے اخلاص میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ان علما کو تو یہ جاننے کی نہ فرصت تھی اور نہ خواہش کہ لوگ ان سے کتنا پیار کرتے ہیں؟ ان کے درس میں کتنے لوگ آتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان علماءِ حق کا نام بڑی عقیدت و محبت سے لیا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں علماء میں وہ بات نہیں رہی ، دنیوی زیب و زینت ان کے ہاں بھی در آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ خالص دینی مراکز کے سر پرستوں کے ہاں بھی انداز اور اسباب وسامان وہی نظر آتے ہیں جو دنیوی تنظیموں یا اداروں میں نظر آتے ہیں ۔کسی ادارے کی بنیاد رکھتے ہوئے آج علما اور دیندار حضرات بھی سب سے پہلے خوب صورت اور وسیع عمارت، صوفوں اور بیش قیمت پردوں سے آراستہ دفتر، آرام دہ گاڑی اور پُر تکلف سامانِ ضیافت و طعام، خودستائی ، رنگا رنگ تعارفی کتابچے اور تصویری جھلکیوں سے سجی ہوئی ویڈیو وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ امدادی رقوم عموماً ان پہلے مراحل کو ہی پورا کرنے میں صرف ہوتی رہتی ہیں اور اصل کام کے لیے یا تو رقم ہی نہیں بچتی اور کچھ کیا بھی جائے تو وہ برائے نام ہی ہوتا ہے۔

نیز ہر عالم اپنا ادارہ اور اپنا کام الگ شروع کر لیتا ہے، جب کہ شرعاً جو کام پہلے سے شروع ہے اسی کو مزید بڑھاوا دینے کی کوشش ہونی چاہیے۔

کسی بھی دینی ادارے کا کوئی پروگرام ہو تو دنیوی لحاظ سے مال وجاہ والی شخصیت کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے بلانے میں فخر سمجھا جاتا ہے۔

اکثر مساجد اور مدارس یا ادارے عمارت کے لحاظ سے تو وسیع و عریض ہیں، جگہ جگہ ان اداروں کی شاخیں قائم ہیں لیکن ان عمارات میں وہ افراد یا وہ کام جس پر

کام کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا ہے وہ برائے نام ہے، ابھی پہلا مرکز ہی تشنۂ تکمیل ہوتا ہے کہ دوسری شاخ کی بھی تعمیر شروع کر دی جاتی ہے۔

جس کام کے لیے ادارہ شروع کیا ہے اگر اس پر توجہ دی جائے اور اس میں تیار ہونے والے افراد یا اس میں انجام دیا جانے والا کام نتائج کے اعتبار سے مثالی ہو تو یہ بذاتِ خود اتنا بڑا ذریعۂ تشہیر ہے کہ دنیوی ذرائع تشہیر کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

ان شاء اللہ اس طرح آخرت کا اجر اور دنیا کی نیک نامی دونوں ہی حاصل ہو جائیں گے۔

الحمدللہ اس وقت بہت سے دینی ادارے نتائج کے اعتبار سے اچھا کام بھی کر رہے ہیں۔ توجہ دلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ خامیوں کو دور کیا جائے۔

علماء اور نعت خوانوں کا معاوضہ لینا:

دورِ حاضر میں دین فروشی کی سب سے خراب صورت یہ ہے کہ درس دے کر، نعتیں سنا کر، میلاد خوانی کر کے اس پر معاوضہ وصول کیا جائے۔

بعض درس دینے والے مرد اور خواتین معاوضہ لیتے ہیں جو کہ ان کی شخصیت، آواز اور مقبولیت کے پیشِ نظر رکھا جاتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام، محدثین وفقہا اور علمائے سلف نے درس دینے یا جمعہ پڑھانے پر کبھی معاوضہ نہیں لیا۔ شاید اس خرابی کا باعث یہ ہے کہ تب دین سیکھنے کے لیے عوام علماء کے پاس

حاضر ہوتے تھے، علماء کو بلانے اور ان سے دورِ حاضر کے انداز میں درس دینے کی انہیں زحمت دینا دین کی توہین اور علم کی ناقدری شمار ہوتا تھا۔ بہر حال معاوضہ لینے دینے کی وجہ سے لوگ کسی عالم کی جادو بیانی تو سننے آتے ہیں لیکن دین سیکھ کر نہیں جاتے اور اگر کچھ دینی لحاظ سے سیکھتے بھی ہیں تو وہ دین نہیں دین کا چربہ ہوتا ہے کیوں کہ درس دینے والوں کے فنِ تقریر کی قیمت لگائی جاتی ہے اور وہی سنی بھی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ادارے یہ معاوضہ عوام ہی کے دیے ہوئے چندے میں سے ادا کرتے ہیں۔

درس دے کر معاوضہ لینے والوں میں سے ہی ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے درس دینے اور وعظ کرنے کے دوران ہی لوگ نوٹ نکال نکال کر ان کی میز پر رکھتے جاتے ہیں۔

شرعاً میلاد خوانی، مرثیہ خوانی کرنا ہی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا منعقد کرنا، بطور پیشہ اختیار کرنا، سننے کے لیے جانا بھی جائز نہیں جب کہ نعت خوانوں کا جواز تو ہے لیکن نعت خوانوں کا پیسے وصول کرنا درست نہیں ۔ یہ نعت النبی ﷺ کی توہین ہے۔ ان لوگوں کو بھی جو کچھ دیا جاتا ہے۔ عوام کے پیسے ہی سے دیا جاتا ہے ہاں جب کوئی صاحبِ حیثیت اپنی گرہ سے مرثیہ خوانی یا میلاد خوانی یا نعت خوانی کا

اہتمام کرے تو اس صورت میں گو پیسہ عوام کا نہیں ہوتا لیکن صاحبِ حیثیت آدمی اپنا مال غلط جگہ پر خرچ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے کیوں کہ یہ کام عہدِ رسالت میں اس انداز سے کبھی نہیں کیا گیا۔ نیز نعت یا میلاد پڑھنا نہ فرائض میں سے ہے نہ نوافل میں سے۔

کسی کی میت ہو جائے تو بعض پیشہ ور وعظ کرنے والوں اور نظمیں جو اکثر بے تکی ہوتی ہیں پڑھنے والے مردوں یا عورتوں کو بلایا جاتا ہے گو یہ کام اکثر خواتین ہی کرتی ہیں۔

قل، دسویں اور برسی پر اس قسم کی محفل منعقد کی جاتی ہے۔ پیشہ ور وعظ کرنے والیاں اور نعت یا نظم پڑھنے والیاں اپنے وقت اور آواز کی خوب قیمت وصول کرتی ہیں اور حاضرین بھی جیب سے نوٹ نکال نکال کر انہیں دیتے جاتے ہیں۔ یہ بھی دین فروشی کی نہایت بھونڈی روایت ہے۔ شرعاً مرنے کی ایسی کوئی رسم کرنا جائز نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سوگ اور تعزیت)

دنیوی اعداد و شمار یا اخروی اجر؟

شریعت نے دنیوی اعداد و شمار...... لوگوں کی واہ واہ...... یا کام کے پھیلاؤ کو معیارِ کامیابی قرار نہیں دیا بلکہ اس کا معیار تقویٰ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ کام میں اخلاص ہو

☆ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہو

☆ دوسروں کو اپنی کارکردگی بتائی اور جتائی نہ جائے کہ جس اللہ کے لیے کیا وہ تو بہتر جانتا ہے۔

☆ امانت داری کے ساتھ ساتھ پائی پائی اس طرح خرچ کی جائے جیسے کم آمدنی والا شخص اپنا بجٹ سوچ سوچ کر بناتا ...... ضروری موقعوں پر خرچ کرتا اور غیر ضروری اخراجات موقوف کر دیتا ہے۔

☆ ذہن میں یہ فکر ہر وقت سوار رہے کہ احتساب کا دن بھی آنا ہے۔ اس روز اللہ کو حساب دینا ہے۔ وہ کروڑوں لوگ اس روز حساب لینے کے لیے آئیں گے جنہوں نے کسی بھی صورت تعاون کیا ہوگا۔ نیز وہ مستحقین بھی گریبان پکڑیں گے جن کی ہمدردی اور خیر خواہی کا بیڑا اٹھایا تھا۔

☆ لوگوں کو صدقات کے فضائل یا مستحقین سے ہمدردی اور تعاون کی تمام ممکنہ صورتیں بتائی اور سمجھائی جائیں، انہیں مستحقین کی بھی نشان دہی کر دی جائے اور خود انہی کے ہاتھوں مستحقین کی مدد کروائی جائے تاکہ مدد کرنے والے بھی اپنی عبادتِ نافلہ کا پورا پورا اجر حاصل کریں اور راہ بتانے والا بھی بغیر کسی نقصان کے کھٹکے کے پورے کا پورا اجر حاصل کرے۔ جیسا کہ فرمان ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا. (النساء: ۸۵)

''جو شخص بھلائی کی سفارش کرے گا تو اس سے اسے بھی حصہ ملے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا اس سے وہ بھی حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔''

☆ ذاتی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے میں دل چسپی لی جائے۔

☆ یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی دیکھ بھال اور گھروں میں انہیں گھر کا ایک فرد بنا کر رکھنے اور اس پر اجر و ثواب بتایا جائے تاکہ لوگ ذاتی دل چسپی، توجہ اور ایثار کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیں۔

☆ مالی نیکی کرنے کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اسلاف کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اپنی ذاتی کمائی اور ذاتی جائیداد کو دینی یا رفاہی کاموں کے لیے وقف کیا جائے، اس میں خیانت، تشہیر، ریا، تصویر، اپنی تعریف آپ، کارڈ، دعوتوں وغیرہ کی فضول خرچیاں خود بخود ہی دب کر رہ جائیں گی کیوں کہ یہ لالچ نہیں ہوگا کہ لوگ بھی اس کارِ خیر میں حصہ ڈالیں۔ یاد رہے کہ اگر کوئی اپنی مرضی سے کوئی نیک کام ہوتے دیکھ کر تعاون کرنا چاہے تو یہ تعاون قبول کر لینا چاہیے اور اسے درست جگہ پر خرچ کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دیانت داری کے ساتھ فی سبیل اللہ مال کو درست جگہ پر خرچ کرنے کی سمجھ اور توفیق عطا کرے اور ملحد، بے دین، شرکیہ کام کرنے والوں اور کافروں کے اداروں میں معاون بننے سے دور رکھے۔ ہم صرف نیکی اور تقویٰ کے کام کرنے والوں ہی کی معاونت کریں۔

آمین!

اسلامی معاشرت کے اہم انفرادی پہلو

☆ انسان کا مقصد حیات اللہ کی عبادت واطاعت ہے۔ لہذا ہر لمحے اس کی عبادت واطاعت کے تقاضے...... اطاعت رسول ﷺ کی حدود میں رہ کر کرنا۔

☆ خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت اور محبت کو ہر شعبہ زندگی میں ملحوظ رکھنا۔

☆ اولاد کو اللہ کی خاص نعمت سمجھ کر...... اسلامی اقدار و آداب کے تحت اس کی پرورش کرنا۔

☆ بلوغ کی عمر کو پہنچتے ہی فوراً نکاح کا اہتمام کرنا۔

☆ انتخاب زوج کی تلاش میں تقویٰ کو ترجیح دینا۔

☆ طویل منگنی کی بجائے نکاح اور رخصتی کرنا۔

☆ اشیائے ضرورت میں نبوی معیار کو نمونہ بنانا...... زائد ملے تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں رہ کر خرچ کرنا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حکم استیذان پر عمل کرنا۔

☆ ستر وحجاب...... اور غض بصر کی پابندی کرنا۔

☆ حقوق لینے کی بجائے دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں کوشاں رہنا۔

☆ مرد کا منصب قوام کے تقاضے......کفالت بہ کسب حلال......حفاظت اوامر و نواہی......اور امارت وخلافت کا علم حاصل کر......اور ممکنہ حد تک اسے بروئے کار لانا......

☆ خواتین کا احترام اور وقار برقرار رکھنا۔

☆ عورت کا گھر میں ٹک کر اطاعت قوام (شریعت کی حدود میں رہ کر) کرنا اور نگرانی اطفال کی ذمہ داریاں نبھانا۔

☆ دنیا کی دیگر اقوام کی مسرفانہ زندگی اور تعیش کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے طرز حیات کی پیروی کرنا۔

☆ رفاہ دنیا کے بجائے فلاح آخرت میں ڈوبے رہنا۔

بدعات ورسوم سیٹ

اپریل فول	عید میلاد النبی	قربانی کی مسائل
ویلنٹائن ڈے	بدعت کیا ہے؟	میراتھن ریس
پتنگ بازی موسمی تہوار یا؟	لفظ اللہ کا ترجمہ خدا کیوں؟	حرمت والے مہینے
سالگرہ	شب برات	ماہ ذوالحجہ کے فضائل
آتش بازی اور لائٹنگ	رجب کے کونڈے اور شب معراج	ماہ محرم کے فضائل اور مروجہ برکات
یومِ مزدور	کافروں کے تہوار اور ہمارا طرز عمل	نعرہ بازی
قرآن خوانی	سوگ اور تعزیت	زندہ کا مردہ کے لئے ہدیہ

مطبوعاتِ مشربہ علم وحکمت
0300-4270553
0321-4609092
کامران پارک زینبیہ کالونی نزد منصورہ ملتان روڈ لاہور